شذرات

تعلیمی نظام	جاوید احمد غامدی	۲

قرآنیات

المائدہ (۱۱)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

تکفیر کا جرم	طالب محسن	۹

دین و دانش

حرابہ، اور 'فساد فی الارض'	محمد عمار خان ناصر	۱۳

سیر و سوانح

قریش کو عذاب الٰہی کا انذار	خالد مسعود	۲۷
عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۳)	وسیم اختر مفتی	۴۵

یسئلون

متفرق سوالات	محمد رفیع مفتی	۵۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

تعلیمی نظام

ہماری قوم کا ایک بڑا مسئلہ اُس کے تعلیمی نظام کی آفات ہیں۔ اِن میں تین چیزیں بالخصوص قابل توجہ ہیں:

ایک یہ کہ ہماری تہذیبی روایت سے یہ نظام ہمارا رشتہ بتدریج منقطع کر رہا ہے۔ نئی نسلوں سے ملیے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ اگلے دس بیس سال میں قومی حیثیت سے ہم اپنی یادداشت شاید کھو چکے ہوں گے۔ اِس سے پہلے عربی زبان سے بے گانگی نے چودہ سو سال اور فارسی سے بے گانگی نے گذشتہ بارہ سو سال ہماری یادداشت سے محو کر دیے ہیں۔ اب یہی معاملہ اردو کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہماری تہذیبی روایت کے تین سو سال اِس زبان سے وابستہ ہیں۔ اِس سے ہمارا رشتہ کمزور ہوا تو کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ صرف زبان ہے جو تہذیبی روایت کو قائم رکھتی اور پوری حفاظت کے ساتھ اُسے آگے منتقل کرتی رہتی ہے۔ اِس سے محرومی کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری آیندہ نسلیں اپنے اساطین علم و ادب کو پڑھنا تو ایک طرف، اُن کے ناموں سے بھی غالباً واقف نہیں ہوں گی۔ یہ کتنا بڑا نقصان ہے؟ اِس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قومی شخصیت کی تعمیر میں اُن عوامل کی اہمیت کو سمجھتے ہیں جو تہذیبی روایت سے پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ بارہ سال کی عمومی تعلیم ہر شعبۂ زندگی میں اختصاصی تعلیم کے لیے بنیادی مہارت فراہم کرتی ہے، مگر دین کا عالم بننے کے لیے اِس طرح کی کوئی بنیاد فراہم نہیں کرتی۔ دینی مدارس اِس کوتاہی سے پیدا ہوئے ہیں اور جب تک یہ باقی رہے گی، اِسی طرح پیدا ہوتے رہیں گے۔ سوسائٹی کو جس طرح سائنس دانوں، ادیبوں، شاعروں، ڈاکٹروں اور انجینیروں کی ضرورت ہے، اِسی طرح دین کے جید علما کی بھی ضرورت ہے۔ اِس ضرورت کو پورا کرنے

کے لیے اختصاصی تعلیم کی درس گاہیں قائم کی جائیں تو اِن میں داخلے کے لیے بنیادی اہلیت کہاں پیدا ہوگی؟ اِس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم کسی شخص کو یہ اجازت تو نہیں دیتے کہ بارہ سال کی عمومی تعلیم کے بغیر وہ بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر یا کسی دوسرے شعبے کا ماہر بنانے کے ادارے قائم کرے، مگر دین کا عالم بننے کے لیے اِس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اِس مقصد کے لیے طلبہ ابتدا ہی سے ایسے مدرسوں میں داخل کر لیے جاتے ہیں، جہاں اُن کے مستقبل کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ قدرت نے، ہوسکتا ہے کہ اُنھیں ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان یا شاعر و ادیب اور مصور بننے کے لیے پیدا کیا ہو، مگر یہ مدارس اُن کی اہلیت، صلاحیت اور ذوق و رجحان سے قطع نظر اُنھیں عالم بناتے اور شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد زندگی کے کسی دوسرے شعبے کا انتخاب کر لینے کے مواقع اُن کے لیے ختم کر دیتے ہیں۔ پھر جن کو عالم بناتے ہیں، بارہ سال کی عمومی تعلیم سے محرومی کے باعث اُن کی شخصیت کو بھی ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں جس سے وہ اپنے ہی معاشرے میں اجنبی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ صورت حال اپنی اصلاح کے لیے غیر معمولی اقدامات کا تقاضا کرتی ہے۔ ہمارے ارباب حل و عقد اِس کی توفیق پائیں تو اِس کے لیے ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ مذہبی اور غیر مذہبی اور اردو اور انگریزی ذریعۂ تعلیم کی ہر تفریق ختم کر دی جائے۔ تمام معاشرتی علوم اردو میں، سائنس اور ریاضی انگریزی زبان میں اور دینیات براہ راست عربی زبان میں پڑھائی جائے۔

۲۔ دینی تعلیم کے لیے پہلی پانچ جماعتوں میں صرف نماز کی دعائیں، حج کا تلبیہ اور ق (۵۱) سے الناس (۱۱۴) تک قرآن مجید کے آخری دو باب یاد کرائے جائیں۔ عربی زبان کی تعلیم چھٹی جماعت سے شروع کی جائے، زبان کے ضروری قواعد سکھانے کے بعد قرآن مجید کو ریڈر بنا دیا جائے جسے طلبہ بارھویں جماعت تک پورا ختم کر لیں۔ مطالعۂ پاکستان اور اسلامیات کا جو مضمون اِس وقت شامل نصاب ہے، اُسے ختم کر دیا جائے۔ اِس کی جگہ تاریخ پڑھائی جائے جس میں طلبہ دنیا کی تاریخ بھی پڑھیں اور اِس کے ساتھ پاکستان سمیت مسلمانوں کی پوری تاریخ کا مطالعہ بھی کر لیں۔

۳۔ فارسی اردو کے نہایت قریب ہے۔ اِس کے ضروری قواعد زیادہ سے زیادہ تین ماہ میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ آٹھویں سال میں اِسے بھی اردو زبان کی تعلیم ہی کا ایک حصہ بنا کر پڑھا دیا جائے۔

۴۔ سائنس اور آرٹس کے ساتھ نویں سال سے دینیات گروپ شروع کیا جائے جس میں عربی زبان و ادب،

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تاریخ، فلسفہ، عالمی ادبیات اور دین و شریعت کی مختلف تعبیرات کا مطالعہ اِن مضامین کے ابتدائی تعارف کی حد تک کرادیا جائے۔ جو طلبہ دین کے عالم بننا چاہیں، اُنھیں موقع دیا جائے کہ وہ اِس گروپ کا انتخاب کریں اور اِس شعبے کی اختصاصی تعلیم کے اداروں میں داخلے کی اہلیت اپنے اندر پیدا کرلیں۔

۵۔ طب اور انجینئرنگ کی طرح دینی تعلیم کے اداروں کو بھی اختصاصی تعلیم کے اداروں کی حیثیت سے قومی تعلیمی نظام کا حصہ بنایا جائے۔ نیز پابند کیا جائے کہ بارہ سال کی عمومی تعلیم کے بغیر وہ کسی طالب علم کو اپنے اداروں میں داخل نہیں کریں گے۔ اِن میں سے جو ادارے اعلیٰ تعلیم کے لیے مسلمہ معیارات کے مطابق ہوں، اُن کی ڈگریاں اِن اصلاحات کے بعد بی اے، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے تسلیم کرلی جائیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المائدہ

(۱۱)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا، اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ، وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ، وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا، وَلَھُمْ

(یہ خدا کی شریعت ہے)۔ ایمان والو، (اِس کے بارے میں) اللہ سے ڈرتے رہو، اُس کا تقرب ڈھونڈو اور (اِس کے لیے) اُس کی راہ میں برابر جدوجہد کرتے رہو[۹۳] کہ فلاح پاؤ۔ رہے وہ لوگ جو (پیغمبر کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود اِس کے) منکر ہیں تو اُنھیں اگر زمین کی ساری دولت حاصل ہو جائے اور اُس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی، اِس لیے کہ اُسے فدیے میں دے کر وہ اپنے آپ کو روز قیامت کے عذاب سے چھڑا لیں تو اُن سے وہ قبول نہیں کی جائے گی اور اُنھیں دردناک سزا مل کر رہے گی۔ وہ اُس

[۹۳] اِس لیے کہ خدا سے قربت کا واسطہ یہی جدوجہد ہے۔ اِس کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس کے لیے اصل میں 'جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں لفظ جہاد اپنے وسیع مفہوم

عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۳۷﴾

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا، جَزَآءً بِمَا كَسَبَا، نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنۡ تَابَ مِنۡ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ، فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ،

سے نکلنا چاہیں گے، مگر کبھی نکل نہ سکیں گے۔ اُن کے لیے (وہاں) دائمی عذاب ہے۔ ۳۵-۳۷

(یہ خدا کی شریعت ہے، اِسے مضبوطی سے پکڑو) اور چور مرد ہو یا عورت، اُن کے ہاتھ کاٹ دو[۹۴]، اُن کے عمل کی پاداش میں اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا کے طور پر[۹۵] اور (یاد رکھو کہ) اللہ (سب پر)

میں استعمال ہوا ہے اور اِس سے مراد ہر وہ سعی و جہد ہے جو خدا کے احکام کی پابندی، اُس کے دین کی اقامت، شریعت کی حفاظت اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کی جائے۔

[۹۴] اصل الفاظ ہیں: 'فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا'۔ لفظ 'ید' کے قطعی اطلاق کی بنا پر ہاتھ ہمیشہ پونچے سے کاٹا جائے گا اور عمل اور پاداش عمل کی مناسبت سے دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، اِس لیے کہ انسانوں میں آلۂ کسب کی حیثیت اصلاً اِسی کو حاصل ہے۔ اِس سزا کے بارے میں یہ بات، البتہ واضح رہنی چاہیے کہ یہ چور مرد اور چور عورت کی سزا ہے۔ قرآن نے اِس کے لیے 'سارق' اور 'سارقة' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ عربی زبان کے اسالیب بلاغت سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ یہ صفت کے صیغے ہیں جو وقوع فعل میں اہتمام پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا اِن کا اطلاق فعل سرقہ کی کسی ایسی ہی نوعیت پر کیا جا سکتا ہے جس کے ارتکاب کو چوری اور جس کے مرتکب کو چور قرار دیا جا سکے۔ چنانچہ اگر کوئی بچہ اپنے باپ یا کوئی عورت اپنے شوہر کی جیب سے چند روپے اڑا لیتی ہے، کوئی شخص کسی کی بہت معمولی قدر و قیمت کی کوئی چیز چرا لے جاتا ہے یا کسی کے باغ سے کچھ پھل یا کسی کے کھیت سے کچھ سبزیاں توڑ لیتا ہے یا بغیر کسی حفاظت کے کسی جگہ ڈالا ہوا کوئی مال اچک لیتا ہے یا آوارہ چرتی ہوئی کوئی گائے یا بھینس ہانک کر لے جاتا ہے یا کسی اضطرار اور مجبوری کی بنا پر اِس فعل شنیع کا ارتکاب کرتا ہے تو بے شک، یہ سب ناشایستہ افعال ہیں اور اِن پر اُسے تادیب و تنبیہ بھی ہونی چاہیے، لیکن یہ وہ چوری نہیں ہے جس کا حکم اِن آیات میں بیان ہوا ہے۔ لہٰذا یہ انتہائی سزا ہے اور صرف اُسی صورت میں دی جائے گی جب مجرم اپنے جرم کی نوعیت اور اپنے حالات کے لحاظ سے کسی رعایت کا مستحق نہ رہا ہو۔

[۹۵] یہ اِس سزا کا مقصد ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، يُعَذِّبُ

غالب ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔[96] پھر جس نے اپنے اِس ظلم کے بعد توبہ اور اصلاح کر لی تو اللہ اُس پر

''...(اِس) میں قطع ید کے دو سبب بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مجرم کے جرم کی سزا ہے، دوسرا یہ کہ یہ 'نکال' ہے۔ 'نکال' کے معنی کسی کو ایسی سزا دینے کے ہیں جس سے دوسرے عبرت پکڑیں۔ اِن دونوں کے درمیان حرف عطف کا نہ ہونا اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں باتیں اِس سزا میں بہ یک وقت مطلوب ہیں۔ یعنی یہ پاداش عمل بھی ہے اور دوسروں کے لیے سامان عبرت بھی۔ جو لوگ اِس کے اِن دونوں ہی پہلوؤں پر بہ یک وقت نظر نہیں ڈالتے، وہ بسا اوقات اِس خلجان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جرم کے اعتبار سے سزا زیادہ سخت ہے۔ حالانکہ اِس سزا میں متعین اِس جرم ہی کی سزا نہیں ہے جو مجرم سے واقع ہوا، بلکہ اُن بہت سے جرائم کی روک تھام بھی اِس میں شامل ہے جن کا وہ اپنے فعل سے محرک بن سکتا ہے، اگر اُس کو ایسی سزا نہ دی جائے جو دوسروں کے حوصلے پست کر دے۔ جنس کی طرح مال کی بھوک بھی انسان کے اندر بڑی ہی شدید ہے۔ اگر اِس حرص کو ذرا ڈھیل مل جائے تو پھر اِس کے نتائج کیا کچھ نکل سکتے ہیں، اِس کا اندازہ کرنے کے لیے موجودہ زمانے کے حالات میں کافی سامان بصیرت موجود ہے، بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھیں موجود ہوں۔ اِس زمانے کے کسی متمدن سے متمدن ملک کے صرف ایک سال کے وہ ہول ناک جرائم جمع کر لیے جائیں جو محض چوری کی وجہ سے پیش آئے تو وہ آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں، لیکن تہذیب جدید کے مارے ہوئے انسان کی پیشانی یہ سن کر تو عرق آلود ہو جاتی ہے کہ چوری پر کسی کا ہاتھ کٹ جائے، لیکن اُن ہزاروں دل ہلا دینے والے واقعات سے اُس کا دل نہیں پسیجتا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ چوری کی راہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ چوری کوئی مفرد جرم نہیں ہے، بلکہ یہ مجموعۂ جرائم ہے جس سے طرح طرح کے ہول ناک جرائم ظہور میں آتے ہیں۔ اگر چوری کی راہ مسدود ہو جائے تو یہ یا تو بالکل ہی ناپید ہو جائیں گے یا کم از کم یہ کہ انتہائی حد تک کم ہو جائیں گے۔ چنانچہ تجربہ گواہ ہے کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا سے نہ صرف چوری کے واقعات انتہائی حد تک کم ہو گئے، بلکہ دوسرے جرائم میں بھی انتہائی کمی ہو گئی۔ پھر اگر چند ہاتھ کٹ جانے سے ہزاروں سر، ہزاروں گھر، ہزاروں آبروئیں محفوظ ہو جائیں؛ ظلم و شقاوت اور حرث و نسل کی بربادی کے بہت سے ابواب کا خاتمہ ہو جائے تو عقل سلیم تو یہی کہتی ہے کہ یہ مہنگا سودا نہیں ہے، بلکہ نہایت بابرکت سودا ہے، لیکن موجودہ زمانے کے دانش فروشوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۵۱۲)

[۹۶] مطلب یہ ہے کہ وہ غالب ہے، اِس لیے حق رکھتا ہے کہ جس کو چاہے، حکم دے اور حکیم ہے، اِس لیے اُس

مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

عنایت کی نظر کرے گا۔[97] بے شک، اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے؟ وہ جس کو چاہے گا سزا دے گا اور جس کو چاہے گا، (اپنے قانون اور اپنی حکمت کے مطابق) بخش دے گا، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔[98] ۳۸-۴۰

کا کوئی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوسکتا۔

[۹۷] اِس سے واضح ہے کہ اصلاح توبہ کے لیے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ آخرت میں نجات توبہ اور اصلاح ہی سے ہوسکتی ہے۔ دنیوی سزا نہ توبہ کا بدل ہے اور نہ توبہ اِس کے لیے بدل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ توبہ واصلاح کے باوجود حکومت یہ سزا لازماً نافذ کرے گی اور دنیا میں یہ سزا پالینے کے باوجود آخرت کا معاملہ توبہ اور اصلاح ہی سے درست ہوگا۔

[۹۸] یہ خطاب عام ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...یہ عام خطاب کے ساتھ تنبیہ ہے کہ آسمان و زمین میں سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہی جس کو چاہے سزا دے گا، جس کو چاہے بخشے گا، کسی دوسرے کے لیے اِس میں کسی چون و چرا اور کسی مداخلت کی کوئی گنجایش نہیں ہوگی۔ اِس وجہ سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے قانون کے تابع اور اُس کے حوالے کرے۔ نہ کوئی اُس سے بھاگنے کی کوشش کرے، نہ کوئی اُس سے دوسروں کو بچانے کی تدبیریں سوچے اور نہ کسی کے زور و اثر اور کسی کی سعی و سفارش پر بھروسا کر کے خدا اور اُس کی شریعت سے بے پروا ہو۔ یہ تنبیہ اِس وجہ سے ضروری تھی کہ درحقیقت یہ سارے احکام جو قتل، قصاص، راہزنی اور چوری وغیرہ سے متعلق اِس سورہ میں بیان ہو رہے ہیں، یہ سب دوسری امتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہوئے۔ اُنھوں نے اِن سے بچنے کے لیے بہت سے چور دروازے نکال لیے، یہاں تک کہ یہ تمام قوانین بالکل بے اثر ہو کر رہ گئے۔ اگر اِس کی علت کا سراغ لگایا جائے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ اِن قوموں نے توحید کی وہ حقیقت مستحضر نہیں رکھی جس کی اِس آیت میں یاددہانی کی گئی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۵۱۴)

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

طالب محسن

تکفیر کا جرم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنُہُ) أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا کَفَّرَ الرَّجُلَ أَخَاہُ فَقَدْ بَاءَ بِھَا أَحَدُھُمَا.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے کوئی ایک اس کا مستحق بن جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنُہُ) یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَیُّمَا امْرِیءٍ قَالَ لِأَخِیْہِ یَا کَافِرُ. فَقَدْ بَاءَ بِھَا أَحَدُھُمَا. إِنْ کَانَ کَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَیْہِ.

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی آدمی اپنے بھائی کو کافر کہے تو ان میں سے کوئی ایک اس کا مستحق بن جاتا ہے، اگر اس نے کہا، جیسا کہ وہ تھا اور اگر نہیں تو یہ اسی کی طرف پلٹے گا۔

لغوی مباحث

'بـاء بھا': 'بوء' کا لفظی مطلب 'لوٹنا' ہے۔اس کے ساتھ بطور صلہ 'ب' لگتا ہے تو اس کے معنی 'لوٹانے' کے ہو جاتے ہیں۔البتہ اگر 'ب' کے بعد 'حق' یا 'ذنب' جیسا کوئی لفظ ہو تو اس کے معنی لازم آنے یا مستحق بن جانے، اقرار کرنے اور قبول کرنے کے ہیں۔اس روایت میں یہ لفظ لازم آنے کے معنی میں ہے اور اس معنی میں یہ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے۔جیسے سورۂ بقرہ (۲:۹۰) میں 'فَبَآءُ وْ بِغَضَبٍ' آیا ہے،لیکن یہ محاورہ بالعموم اسی صورت میں استعمال ہوتا ہے جب نتیجے کے طور پر کوئی بات سامنے آئی ہو۔

'لأخیه'، 'أخاه': اپنے بھائی کو۔شارحین نے اس کو اسلامی رشتۂ اخوت یا مسلم کی صفت کو محذوف مان کر مسلمان بھائی کے معنی میں لے کر کھولا ہے۔سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہے کہ یہاں اسی شخص کو کافر قرار دینا مراد ہے جس کا مسلمان ہونا معلوم ہے اور کسی دینی غلطی کی بنیاد پر اس کی تکفیر کی جا رہی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس مفہوم کا حامل ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا سنگین نتیجے کا حامل ہے۔وہ نتیجہ یہ ہے کہ اگر کہنے والا سچا ہوا تو ٹھیک، ورنہ یہ کفر اس کی طرف لوٹ جائے گا۔اصولاً یہ بات درست ہے کہ مسلمانوں کی تکفیر نہیں ہونی چاہیے۔مسلمان فکری اور عملی گمراہیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ ہر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی اصلاح کا کام نصیحت اور خیر خواہی کے اسلوب میں کرے۔اسے کافر قرار دینا نصیحت اور خیر خواہی، دونوں کے خلاف ہے۔اگر اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کا رویہ بہت برا ہے اور اس بات کو ادا کرنے کے لیے ایک سخت اسلوب اختیار کیا گیا ہے تو اس روایت میں کوئی مشکل نہیں ہے،لیکن اگر کافر ہونے کی بات حقیقی معنی میں ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی غلطی کی بنا پر کفر لازم آتا ہے۔مطلب یہ کہ یہ درست ہے کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا ایک سنگین غلطی ہے،لیکن اس کا نتیجہ یہ کہ وہ خود ہی کافر ہو جائے، بہت ہی غیر معمولی ہے۔یہ بات بالعموم شارحین کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔چنانچہ ان کے نزدیک ایک امکان یہ ہے کہ 'باء بھا' میں 'ھا' کی ضمیر کفر کے بجائے معصیت کی طرف لوٹائی جائے۔اس صورت میں روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اس نے غلط طور پر کافر قرار دیا ہوگا تو اس کو کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کے گناہ کا نتیجہ بھگتنا ہوگا۔دوسرا امکان یہ ہے

کہ اس نے کسی کو کافر قرار دینے کو حلال کر لیا ہے اور اس کا اصل جرم یہ ہے کہ اس نے حرام کو حلال بنا لیا ہے اور حرمت کی حلت کفر ہے۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ مسلمان بھائی کی تکفیر گویا خود اپنی تکفیر ہے، اس لیے کہ بنیادی عقائد دونوں کے ایک ہیں۔ چوتھا امکان یہ ہے کہ اس طرح کے ارشادات ان گروہوں سے متعلق ہیں جو بطور گروہ تکفیر کا ذہن رکھتے ہیں، جیسا کہ دور اول میں خوارج کا گروہ ظاہر ہوا تھا۔ پانچواں امکان یہ ہے کہ یہاں کثرت تکفیر کا پہلو پیش نظر ہے، یعنی بات بات پر لوگوں کے ایمان کی نفی کرنا ایک انتہائی غلط رویہ ہے اور یہ چیز بالآخر آدمی کے اپنے ایمان کے خاتمے پر منتج ہو سکتی ہے۔ یہ اور اس طرح کے تمام حل تکفیر کے لوٹنے کو ایک حقیقت مان کر کیے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ روایت اسی اسلوب کی حامل ہے جو اسلوب ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' جیسی روایتوں میں اختیار کیا گیا ہے۔ اس روایت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جس نے کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھایا، وہ مسلمان نہیں ہے یا جس نے کسی مسلمان کو گالی دی، وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ روایت صرف ایک مسلمان کے ایمان وعمل سے اس طرح کے اعمال کی انتہائی عدم مناسبت کو واضح کرتی ہے۔ یہی معاملہ زیر بحث روایت کا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تکفیر ایک بڑا جرم ہے۔ آپ نے یہ فرما کر لوگوں کو تکفیر کی ذہنیت میں مبتلا ہونے سے روکا ہے۔ آپ نے انھیں ایک خطرے سے خبردار کیا ہے کہ کہیں تمھارا اپنا ایمان ہی خطرے میں نہ پڑ جائے۔ کسی دوسرے کی تکفیر خود اپنے لیے خطرہ بننے کی وجہ یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی خیر خواہی اور اصلاح کے جذبے سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ چیز امت کے اتحاد اور یگانگت کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ یہ رویہ اختیار کرنے والا امت میں تفرقہ اور انتشار پیدا کرنے کا جرم کرتا ہے۔ یہ وہ پہلو ہیں جو تکفیر کے جرم کو ایک شنیع جرم بنا دیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

متون

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس روایت کے دو متن نقل کیے ہیں۔ کتب روایت میں یہی دو متن نقل ہوئے ہیں۔ ان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ کفر کے کسی ایک کی طرف لوٹنے والی بات ایک متن میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے، جبکہ دوسرے متن میں محض اصولی بات بیان ہوئی ہے۔ یہ فرق شروع ہی سے چلا آ رہا ہے۔ دور اول کی کتب میں بھی یہ فرق موجود ہے۔ باقی فرق محض لفظی ہیں۔ مثلاً 'أخ' کی جگہ 'رجل' کا لفظ بھی آیا ہے۔ بعض متون میں 'باء بھا' کے بجائے 'وجب الكفر' یا 'رجعت' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ 'إذا كفر الرجل' کی جگہ 'أيما رجل كفر' کا اسلوب بھی آیا ہے۔ بعض متون میں مسلم کی صفت کی تصریح بھی آئی ہے۔

کتابیات

بخاری، رقم ۵۷۵۲-۵۷۵۳؛ مسلم، رقم ۶۰؛ ابن حبان، رقم ۲۴۸-۲۵۰؛ ابوداؤد، رقم ۴۶۸۷؛ ترمذی، رقم ۲۶۳۷؛ بیہقی، رقم ۲۰۶۹۱؛ احمد، رقم ۴۶۸۷، ۴۷۴۵، ۵۰۳۵، ۵۰۷۷، ۵۲۵۹-۵۲۶۰، ۵۸۲۴، ۵۹۱۴، ۵۹۳۳، ۶۲۸۰؛ مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۵۰۲؛ مسند طیالسی، رقم ۱۸۴۲؛ المسند (ابوبکر الحمیدی)، رقم ۶۹۸؛ المعجم الکبیر، رقم ۱۰۵۴۴؛ المعجم الاوسط، رقم ۱۱۱، ۱۲۳۶؛ مسند ابن الجعد، رقم ۱۵۹۴؛ موطا مالک، رقم ۱۷۷۷؛ الادب المفرد، رقم ۴۳۵، ۴۳۹، ۴۴۰۔

محمد عمار خان ناصر

حرابہ اور فساد فی الارض

[یہ مصنف کی زیر طبع کتاب ''حدود و تعزیرات ـــ چند اہم مباحث'' کا ایک جز ہے۔ قارئین ''اشراق'' کے افادے کے لیے اس کتاب کے جملہ مباحث بالاقساط شائع کیے جا رہے ہیں۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شرعی سزاؤں سے متعلق نصوص میں سورۂ مائدہ (۵) کی آیات ۳۲-۳۴، جن میں انسانی جان کی حرمت اور محاربہ کی سزائیں بیان ہوئی ہیں، بے حد اہمیت کی حامل ہیں۔ ارشاد ہوا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا. وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ. اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. اِلَّا الَّذِيْنَ

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی ایک انسان کو کسی دوسرے انسان کی جان لینے یا زمین میں فساد برپا کرنے کے علاوہ قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک انسان کو زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ اور یقیناً ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے، لیکن اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے سرگرم رہتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں عبرت ناک طریقے سے قتل کر دیا جائے، یا انھیں سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ

تَـابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡهِمۡ فَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ.

پاؤں الٹے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، جبکہ آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، البتہ جو مجرم تمھارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلیں تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔‘‘

ان میں سے پہلی آیت میں ’فساد فی الارض‘ کی تعبیر استعمال ہوئی ہے جو قرآن مجید کی خاص اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا رویہ ترک کر کے سرکشی پر اتر آئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کی پاس داری کے بجاے انھیں پامال کرنا شروع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق کی غایت یہ بیان کی ہے کہ وہ خداے واحد کی عبادت اور اطاعت کریں[1]۔ یہ ذمہ داری ظاہر ہے اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب انسان خدا کی وحدانیت اور حاکمیت کے پورے اعتراف کے ساتھ اس کی بندگی بجالائے اور اس کے مقرر کردہ حدود وقیود کے اندر زندگی بسر کرے۔ زمین کو انسان کا مستقر بنانے اور اس میں اس کو اختیار واقتدار بخشنے کا مقصد بھی اسی پہلو سے انسان کی آزمایش ہے کہ وہ اس اختیار کو خدا کی مرضی کی موافقت میں استعمال کرتے ہوئے زمین کو صلاح کا گہوارہ بناتا ہے یا رضاے الٰہی سے انحراف کرتے ہوئے اس میں ’فساد‘ کی آگ بھڑکاتا ہے۔ چنانچہ انسان کی تخلیق اور اس کی آزمایش کی اسکیم سے جب فرشتوں کو مطلع کیا گیا تو انھوں نے انسان کے متوقع رویے اور طرز عمل کو ’فساد فی الارض‘ ہی سے تعبیر کرتے ہوئے اس پر اپنے خدشات کا اظہار کیا[2] اور قرآن مجید نے دنیا میں انسان کو درپیش امتحان میں کامیابی اور اس کے بدلے میں آخرت کی نعمتوں کے استحقاق کا معیار بھی اسی ’فساد فی الارض‘ سے بچنے کو قرار دیا ہے:

تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ.
(القصص ۲۸: ۸۳)

’’یہ آخرت کا گھر، اس کا حق دار ہم خاص انھی لوگوں کو بنائیں گے جو نہ زمین میں سرکش ہو کر رہنا چاہتے ہیں اور نہ فساد برپا کرنا اور کامیابی تو انجام کار پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔‘‘

---

[1] الذاریات ۵۱: ۵۶۔

[2] البقرہ ۲: ۳۰۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دنیا میں جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا، ان سب کی جامع فرد قرارداد جرم بیان کرنے کے لیے بھی یہی تعبیر استعمال ہوئی ہے:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ. (ہود ۱۱:۱۱۶)

''تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں، ان میں ایسے عقل مند ہوتے جو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ بہت کم تھے اور یہ وہ تھے جنھیں ہم نے ان میں سے (عذاب سے) محفوظ رکھا، جبکہ ظالم اس سامان عیش وعشرت کے پیچھے لگے رہے جو انھیں دیا گیا تھا اور وہ مجرم تھے۔''

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر 'فساد فی الارض' کا اطلاق اعتقادی کج روی، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنے، اخلاقی وشرعی حدود کو پامال کرنے، اللہ کے عائد کردہ معاشرتی حقوق کو نظر انداز کرنے، کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے روبہ عمل ہونے کی راہ میں رکاوٹ بننے یا اس کی مرضی اور منشا کے علی الرغم روش اختیار کرنے، لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے، دوسرے انسانوں کے جان ومال کے درپے ہو جانے، ان کی عزت وآبرو اور آزادی دین ومذہب پر تعدی کرنے، مال ودولت اور ملک گیری کی ہوس میں دوسری قوموں پر حملے کرنے اور اپنی سرکشی اور عدوان سے انسانی معاشرے کے امن وامان کو تباہ کرنے کی کوششوں پر ہوا ہے۔[۳] اس اعتبار سے دیکھیے تو عقیدہ وعمل اور اخلاق وکردار کا ہر انحراف درحقیقت 'فساد فی الارض' ہے اور قرآن نے متعدد مقامات پر اس تعبیر کو ایمان اور عمل صالح یا محض 'اصلاح' کے تقابل میں استعمال کر کے اس کے جامع مفہوم کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔[۴] مثلاً سورۂ ص میں ارشاد ہوا ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ. (۳۸:۲۸)

''کیا ہم ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کا انجام ان کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے رہے؟ یا کیا ہم پرہیز گاروں اور بدکاروں کے ساتھ یکساں معاملہ کریں گے؟''

'فساد فی الارض' کا یہ مفہوم پیش نظر رہے تو بآسانی واضح ہو گا کہ 'مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ' کی زیر بحث آیت میں عطف العام علی الخاص کا اسلوب پایا جاتا ہے۔ قتل دراصل 'فساد فی الارض' ہی کی ایک

صورت ہے جسے نمایاں کرنے کی غرض سے الگ ذکر کر کے اس پر اس عمومی اصول، یعنی 'فساد فی الارض' کو عطف کر دیا گیا ہے جس کے تحت قتل سمیت باقی تمام صورتیں بھی مندرج ہو جاتی ہیں۔ منشاے کلام یہ ہے کہ کسی انسان کی جان کسی حق ہی کے تحت لی جا سکتی ہے اور ناحق کسی کی جان لینا ایسا ہی ہے جیسے ساری انسانیت کو قتل کر دینا۔ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر یہی بات 'لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ'[5] کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ گویا زیر بحث آیت 'اِلَّا بِالْحَقِّ' کی تفسیر کرتی اور یہ بتاتی ہے کہ 'فساد فی الارض' وہ بنیاد ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کی جان لینے کی اجازت دی ہے اور جو کسی انسان کے قتل کو قتل بالحق بناتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا کی اطاعت سے کسی بھی نوعیت کا انحراف فی نفسہٖ 'فساد فی الارض' کے تحت آتا ہے، جبکہ آیت میں 'فساد فی الارض' کو کسی انسان کی جان لینے کی وجہ جواز قرار دیا گیا ہے تو کیا اس کی کسی بھی صورت کے ارتکاب پر انسان قتل کا مستحق قرار پائے گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ آیت کا اصل مدعا یہ بیان کرنا نہیں کہ 'فساد فی الارض' انسان کو لازماً قتل کا مستوجب بنا دیتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ اس کے بغیر انسان کی جان لینے کا کوئی جواز نہیں۔ رہی یہ بات کہ 'فساد فی الارض' کی کس صورت میں موت کی سزا دی جا سکتی ہے اور کس صورت میں نہیں تو آیت اس سے تعرض نہیں کرتی اور اس کے لیے دیگر نصوص کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ اس ضمن میں شریعت موسوی کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت موسوی کے عمومی مزاج کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے لیے قتل کی سزا تجویز کرنے میں بھی زیادہ سختی برتی گئی تھی۔ تورات میں اس کی تفصیلات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن جرائم کو موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے، ان کو تین دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ کسی انسان کی جان، مال، عزت و آبرو یا اس کے کسی مذہبی یا معاشرتی حق پر تعدی۔ اس نوعیت کے جرائم

۳؎ البقرہ ۲: ۱۱، ۲۷، ۳۰، ۶۰۔ آل عمران ۳: ۶۳۔ الاعراف ۷: ۵۵-۵۶، ۷۴، ۸۵۔ الانفال ۸: ۷۳۔ یوسف ۱۲: ۷۳۔ الرعد ۱۳: ۲۵۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۴۔ الکہف ۱۸: ۹۴۔ الشعراء ۲۶: ۱۸۳۔ القصص ۲۸: ۴، ۷۷۔ العنکبوت ۲۹: ۳۶۔ المومن ۴۰: ۲۶۔ الفجر ۸۹: ۱۱-۱۲۔

۴؎ الشعراء ۲۶: ۱۵۲۔ النمل ۲۷: ۴۸۔

۵؎ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳۔ ''جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اسے کسی حق کے بغیر قتل نہ کرو۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حسب ذیل ہیں:

o کسی انسان کو ناحق قتل کرنا۔[6]

o کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچنا۔[7]

o شادی شدہ عورت یا کسی کی منگیتر کے ساتھ زنا۔[8]

۲۔ان اخلاقی و مذہبی آداب، معاشرتی ضوابط اور قانونی حدود و قیود کی خلاف ورزی جن کی پابندی پر معاشرتی نظم اور اس کے مادی و اخلاقی وجود و بقا کا انحصار تھا۔اس دائرے میں درج ذیل جرائم آتے ہیں:

o قاضی کے سامنے گستاخی کرنا یا اس کا فیصلہ نہ ماننا۔[9]

o باپ کے سامنے سرکشی اور اس کی نافرمانی۔[10]

o باپ یا ماں پر لعنت کرنا۔[11]

o کہانت کی خدمت میں بنی لاوی کے ساتھ شریک ہونے کی کوشش کرنا۔[12]

o لواطت۔[13]

o جانور کے ساتھ جماع۔[14]

o اپنی بہن یا بھائی کے بدن کو بے پردہ دیکھنا۔[15]

۳۔ان احکام اور حقوق و آداب کی پامالی جنھیں حقوق اللہ یا حقوق الشرع کا عنوان دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

۶؎ گنتی ۳۵: ۱۶-۲۱۔

۷؎ استثنا ۲۴: ۷۔

۸؎ استثنا ۲۲: ۲۲-۲۴۔

۹؎ استثنا ۱۷: ۱۲-۱۳۔

۱۰؎ استثنا ۲۱: ۱۸-۲۱۔

۱۱؎ احبار ۲۰: ۹۔

۱۲؎ گنتی ۱۸: ۷۔

۱۳؎ احبار ۲۰: ۱۳۔

۱۴؎ احبار ۲۰: ۱۵-۱۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ جرائم حسب ذیل ہیں:

- خدا کے علاوہ کسی اور معبود یا سورج یا چاند یا اجرام فلکی کی عبادت۔[16]
- اولاد کو مولک کی نذر کرنا۔[17]
- خدا کے نام کی بے حرمتی کرنا۔[18]
- نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا۔[19]
- سبت کے دن کی پابندی کو توڑنا۔[20]
- سفلی عمل یا جادو کرنا۔[21]

یہ سزائیں بنی اسرائیل کے لیے مقرر کی گئی تھیں، اس لیے کہ خدا کی شریعت کا حامل ہونے اور خدا کے ساتھ اس کی پابندی اور اقوام عالم کے سامنے اس کی شہادت کا عہد و میثاق باندھنے کے بعد مذکورہ اعمال کا ارتکاب صریحاً 'فساد فی الارض' کے زمرے میں آتا ہے۔

جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے تو اس میں متعین طور پر قتل کی سزا بہت کم جرائم میں تجویز کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث زنا بعد احصان او ارتداد بعد اسلام او قتل نفس بغیر حق. (ترمذی، رقم ۲۰۸۴)	''کسی مسلمان کی جان لینا ان تین صورتوں کے سوا جائز نہیں: کوئی شخص محصن ہونے کے بعد زنا کا مرتکب ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے یا کسی انسان کو ناحق قتل کر دے۔''

۱۵؎ احبار ۲۰: ۱۷۔

۱۶؎ استثنا ۱۳: ۱-۱۸، ۱۷: ۲-۷۔

۱۷؎ احبار ۲۰: ۲۔

۱۸؎ احبار ۲۴: ۱۳-۱۶۔

۱۹؎ استثنا ۱۸: ۲۰-۲۲۔

۲۰؎ گنتی ۱۵: ۳۲-۳۶۔

۲۱؎ احبار ۲۰: ۲۷ ۔ ۲۲؎ المائدہ ۵: ۳۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان کے علاوہ قرآن وسنت کے نصوص میں جن جرائم پر سزاے موت کا ذکر ملتا ہے، ان سب میں یہ سزا تعزیری اور صواب دیدی سزا کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان جرائم میں محاربہ[22]، مسلمانوں کے نظم اجتماعی سے بغاوت[23]، سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح[24]، کسی محرم خاتون کے ساتھ بدکاری[25]، زنا بالجبر[26]، لواطت[27]، شراب نوشی کا عادی مجرم ہونا[28] اور شراب نوشی ترک کرنے سے انکار کرنا[29] شامل ہیں۔ اسی طرح جب بعض افراد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور زبان درازی کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تو آپ نے ان کے خون کو رائگاں قرار دے دیا۔[30]

یہ تمام صورتیں 'فساد فی الارض' میں داخل ہیں۔ ان میں سے زنا، ارتداد اور توہین رسالت پر موت کی سزا سے متعلق ہم نے مستقل عنوانات کے تحت بحث کی ہے، جبکہ محاربہ کے مفہوم ومصداق کے حوالے سے آیندہ سطور میں بعض نکات کی وضاحت کریں گے۔ ان کے علاوہ باقی جرائم میں موت کی سزا ہماری راے میں تعزیری سزا کی حیثیت رکھتی ہے اور ان صورتوں سے موت کی سزا کے حوالے سے عمومی ضابطے بھی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح یا شراب نوشی ترک کرنے سے انکار پر سزاے موت دینا یہ بتاتا ہے کہ کسی مسلمان کا اسلامی شریعت کے واضح اور قطعی احکام کی اس طرح علانیہ خلاف ورزی کرنا کہ اس سے سرکشی اور بغاوت کے علاوہ ان احکام کے استخفاف کا پہلو بھی ظاہر ہوتا ہو، سزاے موت کا مستوجب ہو سکتا ہے۔ محرم خاتون کے ساتھ بدکاری اور لواطت جنسی انحراف کی معمول سے زیادہ بگڑی ہوئی اور سنگین صورتیں ہیں اور ان پر سزاے موت دینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی مستوجب حد جرم اپنی شناعت میں زیادہ بڑھ جائے اور مجرم کو معمول کی سزا دینے سے انصاف کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

[23] مسلم، رقم ۱۸۵۲۔

[24] ترمذی، رقم ۱۲۸۲۔

[25] ترمذی، رقم ۱۴۶۲۔

[26] ابوداؤد، رقم ۴۳۷۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۴۔

[27] المستدرک، رقم ۸۰۴۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۵۔

[28] ابوداؤد، رقم ۴۴۸۲-۴۴۸۴۔

[29] مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۳۷۴۲۔

[30] ابوداؤد، رقم ۴۳۷۵۔ نسائی، رقم ۴۰۰۲۔ ابن ابی عاصم، الدیات ۱/ ۷۳۔

تقاضے پورے ہوتے نظر نہ آئیں تو موت تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔

شراب نوشی کے عادی مجرم کے لیے سزاے موت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی جرم کا انسداد ہلکی اور کم تر سزاؤں سے ممکن نہ ہو اور مجرم اپنے رویے کی اصلاح پر آمادہ نہ ہو تو جرم کی نوعیت کے لحاظ سے عدالت اس کے لیے موت کی سزا بھی تجویز کر سکتی ہے۔

ان تعزیری سزاؤں کی مذکورہ تعبیر کے ساتھ ساتھ محاربہ کا وہ مفہوم بھی پیش نظر رہے جس پر ہم نے آیندہ سطور میں گفتگو کی ہے تو یہ واضح ہوگا کہ قرآن و سنت کے نصوص میں اصولی طور پر جرائم کی ان تمام صورتوں کا احاطہ کر لیا گیا ہے جنھیں 'فساد فی الارض' کے اصول پر موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا جا سکتا ہے۔[۳۱]

اب آیت محاربہ کو دیکھیے:

۳۱؎ فقہا نے 'فساد فی الارض' کے اصول سے ایسے اہل بدعت اور زنادیقین کے لیے سزاے موت کا جواز بھی اخذ کیا ہے جو معاشرے میں اپنے مبتدعانہ افکار کو پھیلانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں اور ان کو قتل کیے بغیر ان کے شر کو دفع کرنا ممکن نہ ہو۔ (ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ ۲۸/۳۴۶۔ ابن عابدین، رسائل ابن عابدین ۱/۳۵۷) ہمارے نزدیک زندقہ والحاد یا مذہبی بدعات کے اصولی طور پر 'فساد فی الارض' کے دائرے میں آنے کے باوجود انھیں سزاے موت کا مستوجب قرار دینا عملاً ایک بے حد نازک مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی و اعتقادی امور کے دائرے میں کسی فرد یا گروہ پر اس کی غلطی کو 'اتمام حجت' کے درجے میں واضح کیے بغیر اسے سزا کا مستحق قرار دینا دینی و اخلاقی اعتبار سے درست نہیں اور اس کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث کرنے کے بعد اس شرط کو پورا کیے بغیر ان کی قوموں پر عذاب نازل نہیں کیا۔ اتمام حجت کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس کے تحقق یا عدم تحقق کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا اور یوں سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد عملاً اس شرط کا پورا ہونا محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے 'منصب شہادت' پر فائز کیے جانے کی بنیاد پر اس اختیار کو استعمال کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے تھے، اپنے دور میں سامنے آنے والی اعتقادی یا عملی بدعات کے بارے میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا اور علم و استدلال ہی کے ذریعے سے ان کی گمراہی کو واضح کرنے پر اکتفا کیا۔ پھر یہ کہ اس وقت مسلمانوں کے کم و بیش تمام فرقے ایک دوسرے کو گمراہ اور بدعتی سمجھتے ہیں اور اگر انھیں موقع دیا جائے تو ہر فرقہ اپنی اختیار کردہ بدعات کے علاوہ دوسری ہر بدعت کا قلع قمع کرنے کے لیے دل و جان سے آمادہ ہوگا۔ اس طرح 'فساد فی الارض'، یعنی بدعات کے خاتمے کے لیے موت کی سزا دینے کا اختیار اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ اختیار بذات خود 'فساد فی الارض' پر منتج ہوگا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہاں ’یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ‘ اور ’یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا‘ کی دو الگ الگ تعبیریں استعمال ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں ان دونوں تعبیروں کے مواقع استعمال کا استقصا کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور معاند گروہوں کی وہ سرگرمیاں ہیں جن کا مقصد مدینہ منورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کو چیلنج کرنا اور سازش، بغاوت یا اس طرح کے دوسرے طریقوں سے کام لیتے ہوئے اسے کمزور کرنے کی کوشش کرنا تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر منافقین مدینہ کی اندرونی سازشوں کے لیے سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۱۰۷ میں ’حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ قرآن مجید کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کا غلبہ جزیرۂ عرب پر قائم ہونا آپ کی بعثت کا ہدف اور مقصود تھا اور جن گروہوں نے بھی اس کے علی الرغم کھڑا ہونے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی، انھوں نے گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف برسر جنگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ بنیادی طور پر مشرکین عرب، یہود اور منافقین کے گروہ تھے اور قرآن میں ان گروہوں کی سرگرمیوں کے لیے ’یُشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ‘ [۳۲] اور ’یُحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ‘ [۳۳] کی تعبیریں بھی استعمال ہوئی ہیں جو محاربہ کے مفہوم کو مزید واضح کرتی ہیں۔ اسی طرح ’سَعٰی فِی الْاَرْضِ فَسَادًا‘ کی تعبیر قرآن مجید میں یہود اور منافقین کی ایسی مفسدانہ، شرانگیز اور باغیانہ (subversive) سرگرمیوں کے لیے استعمال ہوئی ہے جن کا مقصد انارکی پھیلانا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کو سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی سطح پر کمزور کرنا تھا۔[۳۴] مائدہ کی زیر بحث آیت میں ان گروہوں کی سرگرمیوں سے نمٹنے کے لیے ایک باقاعدہ قانونی سزا بیان کی گئی ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ آیت اصلاً مسلمانوں سے متعلق شریعت کے ضابطۂ حدود و تعزیرات کی ایک شق کے طور پر نہیں، بلکہ ریاست کے داخلی و خارجی دشمنوں سے نمٹنے کے ایک عمومی قانون کے طور پر نازل ہوئی تھی۔

فقہا اور مفسرین بالعموم آیت محاربہ کو جتھے بندی کے ساتھ قتل اور سلب و نہب کی بعض متعین صورتوں کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں اور ان کی غالب اکثریت کے نزدیک جرم کی متعین صورتوں میں متعین سزا ہی دی جا سکتی ہے، چنانچہ محاربین نے اگر قتل اور نہب، دونوں کا ارتکاب کیا ہو تو انھیں قتل یا صلب کی سزا دی جائے گی،

۳۲؎ النساء ۴: ۱۱۵۔ الانفال ۸: ۱۳۔ محمد ۴۷: ۳۲۔ الحشر ۵۹: ۴۔

۳۳؎ التوبہ ۹: ۶۳۔ المجادلہ ۵۸: ۵، ۲۰۔

۳۴؎ البقرہ ۲: ۲۰۵۔ المائدہ ۵: ۶۴۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اگر صرف مال لوٹا ہو تو ان کے ہاتھ پاؤں الٹے کاٹے جائیں گے اور اگر صرف خوف و ہراس پیدا کیا ہو تو انھیں 'نفی من الارض' کی سزا دی جائے گی، تاہم آیت کے الفاظ اور اسلوب اس تحدید کو قبول نہیں کرتے۔ آیت میں جرم کی کسی مخصوص صورت کا ذکر کرنے کے بجائے 'يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ' اور 'يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا' کی عمومی اور وسیع تر مفہوم کی حامل تعبیرات استعمال ہوئی ہیں جو ہر اس صورت کو شامل ہیں جس میں ریاست کے اقتدار اعلیٰ کو چیلنج کرنے، معاشرے کے امن وامان کو تباہ کرنے یا اس کی دینی واخلاقی بنیادوں کو منہدم کرنے کی کوشش کی جائے۔

آیت محاربہ کے شان نزول کے طور پر کتب حدیث میں عکل اور عرینہ کے افراد کا جو واقعہ نقل کیا گیا ہے، وہ بھی کوئی ڈکیتی کا واقعہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے راہ چلتے مسافروں کا مال نہیں لوٹا تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا تھا اور اس کے بعد نہ صرف مرتد ہو گئے، بلکہ انھوں نے بیت المال کے اونٹوں کے رکھوالے کو اذیت ناک طریقے سے قتل کر کے اونٹوں کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی۔[۳۵] بالبداہت واضح ہے کہ یہ ریاست مدینہ کے ساتھ بدعہدی، خیانت، لوٹ مار اور بغاوت کا مقدمہ تھا، اسے 'ڈکیتی' کا واقعہ سمجھنا اور پھر آیت محاربہ کے دائرۂ اطلاق کو ڈکیتی تک محدود کر دینا، ایک نہایت ناقابل فہم بات ہے۔

امت کے جلیل القدر اہل علم کی آرا سے آیت محاربہ کے مفہوم ومصداق اور دائرۂ اطلاق کی وسعت ہی واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت محاربہ اصلاً کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اس میں مجرم پر قدرت پانے سے پہلے اس کے توبہ کر لینے کی صورت میں معافی کی جو بات کہی گئی ہے، اس کا اطلاق مسلمان محارب پر نہیں ہوتا:

فمن قتل وافسد فی الارض وحارب اللّٰه ورسوله ثم لحق بالکفار قبل ان يقدر عليه لم يمنعه ذلك ان يقام فيه الحد الذي اصاب. (نسائی، رقم ۳۹۷۸)

''جو مسلمان قتل کرے، زمین میں فساد مچائے اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرے، پھر اپنے اوپر قدرت پائے جانے سے پہلے کفار کے ساتھ جا ملے، (توبہ کرنے کی صورت میں) اس پر اس کے جرائم کی سزا نافذ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔''

ابن عباس کی اس رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، تاہم یہ واضح ہے کہ وہ اس آیت کو صرف ڈکیتی تک محدود

۳۵؎ بخاری، رقم ۳۸۷۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نہیں سمجھتے، بلکہ ان کے نزدیک اس کا دائرۂ اطلاق اس سے زیادہ وسیع ہے۔

جلیل القدر تابعی مفسر مجاہد سے یہ راے منقول ہے کہ آیت حرابہ میں مذکور 'فساد فی الارض' کے دائرے میں چوری، زنا، قتل اور حرث ونسل کی بربادی وغیرہ بھی شامل ہیں۔[36] عام طور پر اہل علم نے اس راے پر اچنبھے کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ جب چوری، زنا اور قتل کی سزائیں مستقل نصوص میں بیان ہوئی ہیں تو آیت محاربہ کو ان جرائم سے متعلق قرار دینے کا کیا مطلب؟ تاہم علامہ رشید رضا نے بجا طور پر اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جان و مال اور آبرو کے خلاف عام نوعیت کے جرائم اگر جتھا بندی کی صورت میں کیے جائیں جس سے 'فساد فی الارض' کی کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ 'حرابہ' کے تحت آ جاتے ہیں۔[37]

فقہاے مالکیہ کے ہاں بھی 'حرابہ' کے مفہوم میں نسبتاً توسع دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر وہ کسی شخص کو دھوکے سے یا ویران جگہ پر لے جا کر قتل کرنے کو بھی حرابہ میں شمار کرتے ہیں۔[38] جلیل القدر مالکی فقیہ ابوبکر ابن العربی نے کسی خاتون کو اغوا کرنے کو بھی 'حرابہ' قرار دیا ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر اس جرم پر قرآن کی بیان کردہ سزاؤں سے بھی شدید تر کوئی سزا دی جا سکتی تو وہ وہی تجویز کرتے۔[39] یہی نقطۂ نظر فقہاے امامیہ نے اختیار کیا ہے اور ابوجعفر الطّوسی نے مثال کے طور پر اس جرم کو بھی اس آیت کے تحت داخل قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے۔[40]

دور جدید کے اہل علم کے ہاں بھی بالعموم آیت حرابہ کو معاشرے اور ریاست کے خلاف جرائم کے وسیع تر تناظر میں دیکھنے کا رجحان نمایاں ہے اور وہ قانون کو ہاتھ میں لینے، ریاست کے اختیار اور اتھارٹی کو چیلنج کرنے، معاشرے کے امن وامان کو درہم برہم کرنے اور جان و مال اور آبرو کے حوالے سے خوف وہراس کی صورت حال پیدا کر دینے

٣٦؎ طبری، جامع البیان ۶/ ۱۳۲۔

٣٧؎ رشید رضا، تفسیر المنار ۶/ ۲۹۶۔

٣٨؎ مسائل الامام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ ۲/ ۲۳۰، ۲۷۲۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۷۲۔

٣٩؎ ابن العربی، احکام القرآن ۲/ ۵۹۷۔

٤٠؎ الطّوسی، تہذیب الاحکام ۱۰/ ۲۴۔

کی ہرصورت کواس کے مفہوم میں داخل مانتے ہیں۔

چنانچہ مولانا حمید الدین فراہی کے نزدیک سیدنا عمر کے نجران کے نصاریٰ کوسود کھانے کی بنا پر جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنے کا ماخذ بھی آیت محاربہ ہے، کیونکہ اس میں فساد فی الارض کی سزا بیان ہوئی ہے اور سود بھی اسی کی ایک صورت ہے[41]۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کے مفہوم میں 'زنا' کی بعض صورتوں کو بھی شامل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ''وہ گنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کے عزت وناموس کے لیے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنالیں، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت وآبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں، ان کے لیے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے[42]۔'' مولانا کی راے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکل اور عرینہ کے لٹیروں اور بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے یہود کے خلاف، جبکہ صحابہ نے مسیلمہ کذاب اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ اور خیبر کے یہود کو جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنے کے جو اقدامات کیے، ان سب کا ماخذ بھی یہی آیت ہے[43]۔

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''...اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے، مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی، وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے۔ ''اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا'' یا ''زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا'' یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل ونہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں، کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی ۱۵۰)

ہمارے نزدیک سورۂ احزاب کی آیات ۶۰-۶۱ بھی آیت محاربہ ہی کی ایک فرع ہیں۔ یہاں منافقین اور مدینہ منورہ میں فتنہ انگیزی کرنے والے بعض دوسرے گروہوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ باز نہیں آئیں گے تو انھیں، جہاں پائے جائیں، عبرت ناک طریقے سے قتل کرنے کا حکم دے دیا جائے گا۔

---

[41] تفسیر نظام القرآن، سورۃ البقرہ ۲۸۶۔

[42] تدبر قرآن ۲/۵۰۶۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

(اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡٓا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا) آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ مدینہ منورہ کے ان فتنہ پرداز گروہوں کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اہل بیت اور مسلمان خواتین کے بارے میں بہتان تراشنے اور ان کی کردارکشی کے مکروہ عمل نے ایک باقاعدہ اور منظّم مہم کی شکل اختیار کر لی تھی اور اسی سے نمٹنے کے لیے یہاں ان کے خلاف سخت کارروائی کی دھمکی دی گئی ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے واقعاتی پس منظر سے متعلق جو روایات و اقوال نقل کیے ہیں، ان میں ان شر پسند عناصر کی طرف سے شریف گھرانوں کی خواتین کا پیچھا کرنے اور ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔[44] ہماری رائے میں ان جرائم پر 'تقتیل' کی سزا بیان کرنا آیت محاربہ میں بیان ہونے والے اصولی حکم ہی کا ایک اطلاق ہے اور اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آیت محاربہ میں محض ڈاکا زنی کی نہیں، بلکہ وسیع تر دائرے میں جرم کی ان تمام صورتوں کی سزا بیان کی گئی ہے جن میں جرم کے اثرات انفرادی اور شخصی دائرے سے نکل کر معاشرے کے عمومی امن وامان اور ریاست کے اختیار واقتدار کے لیے ایک خطرے کی صورت اختیار کر لیں۔ کعب بن اشرف اور ابو رافع جیسے یہودی سرداروں کے قتل کو بھی بآسانی اسی حکم پر عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ کعب بن اشرف یہود کے قبیلہ بنو نضیر کا لیڈر اور شاعر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور کفار قریش کو آپ کے خلاف بھڑکانے میں مصروف رہتا تھا۔ بدر میں قریش کی شکست کے بعد اس نے نہ صرف مکہ جا کر قریش کو انتقام کے لیے بھڑکایا، بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہجو اور ان کی خواتین کے ساتھ تشبیب کا باقاعدہ ایک محاذ کھول لیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی انھی حرکتوں کی پاداش میں اسے قتل کرا دینے کا فیصلہ کر لیا۔[45]

ابو رافع بھی بنو نضیر کا سردار تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے قریش اور عرب کے دیگر قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکانے اور متحد ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرنے میں سرگرم کردار ادا کیا تھا۔ ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب انھی کوششوں کے نتیجے میں پیش آیا اور جنگ کے ختم ہو جانے کے فوراً بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عتیک اور ان کے ساتھیوں کے ذریعے سے ابو رافع کو قتل کرا دیا۔[46]

۴۳؎ تدبر قرآن ۲/ ۵۰۷۔

۴۴؎ طبری، جامع البیان ۲۲/ ۴۶۔

۴۵؎ ابوداؤد، رقم ۲۶۰۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۳/ ۳۱۸-۳۲۵۔

۴۶؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۴/ ۲۳۴-۲۳۷۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہماری راے میں اسلام یا پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کا جرم اور اس پر سزا کا معاملہ بھی اپنی قانونی اساس کے لحاظ سے آیت 'محاربہ' ہی پر مبنی ہے، اس لیے کہ ایک اسلامی معاشرے میں، جو ایمان و اعتقاد اور قانونی و سیاسی سطح پر اطاعت و سرافگندگی کے آخری مرجع خدا اور اس کے رسول کو مانتا اور اپنی اجتماعی زندگی کی تشکیل کو رسول اللہ ہی کی لائی ہوئی ہدایت کا مرہون منت سمجھتا ہے، خدا کے رسول کی توہین و تحقیر بھی 'محاربہ' اور 'فساد فی الارض' کی ایک صورت ہے اور اگر کوئی شخص دانستہ ایسا کرتا اور اس پر مصر رہتا ہے تو وہ نہ صرف اس کے باشندوں کے مذہبی جذبات و احساسات کو مجروح کرتا ہے، بلکہ ریاست کے مذہبی تشخص کو بھی چیلنج کرتا اور اسے پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ یہ جرم انھی سزاؤں کا مستوجب قرار پانا چاہیے جو آیت 'محاربہ' میں بیان ہوئی ہیں، بلکہ صحابہ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اہل ذمہ میں سے کوئی شخص کسی عام مسلمان کی توہین و تذلیل کا مرتکب ہوتا تو وہ اس کو بھی نقض عہد کے مترادف قرار دیتے ہوئے اس پر موت کی سزا نافذ کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک ذمی نے ایک مسلمان خاتون کو سواری سے گرا دیا جس سے اس کا پردہ کھل گیا، پھر اس نے اس کے ساتھ جماع کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا عمر کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا گیا تو انھوں نے اسے سولی چڑھانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ ہم نے تمھارے ساتھ اس بات پر معاہدہ نہیں کیا۔[۴۷]

'حرابہ' کے مفہوم اور دائرۂ اطلاق کی تحدید کی طرح قاضی کو حرابہ کی مخصوص صورتوں میں متعین سزا کا پابند کر دینا بھی قانون کی حکمت اور منشا کے منافی دکھائی دیتا ہے، اس لیے کہ بعض اوقات عملاً قتل و نہب نہ ہونے کے باوجود محض خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کرنے کا جرم اپنے اثرات کے لحاظ سے اتنا شدید ہو سکتا ہے کہ اس پر تقتیل یا تصلیب کی سزا دی جانی چاہیے۔ اس صورت حال میں قاضی کو پابند کرنے کے بجاے صورت حال کے لحاظ سے کوئی بھی سزا اور تقتیل کی کوئی بھی صورت اختیار کرنے کی آزادی حاصل رہنی چاہیے۔ جلیل القدر تابعی عطاء سے یہی راے منقول ہے اور فقہاے مالکیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[۴۸]

۴۷؎ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۸۳۷۔ مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۰۱۶۷۔

۴۸؎ مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۸۵۴۹۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۴۱۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سیرت النبی

خالد مسعود

قریش کو عذاب الٰہی کا انذار

[''سیر وسوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اہل مکہ کے لیے آزمائشیں:

جب رسول کی قوم اپنے تکبر کے اظہار کے طور پر پیغمبر اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ظلم وزیادتی پر اتر آتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے کس بل نکالنے کے لیے اس قوم پر چھوٹی بڑی آفتیں نازل کرتا ہے تاکہ اس کے دلوں میں شکستگی پیدا ہو۔ وہ خدا کی طرف رجوع کریں، اس کے پیغام کو سنیں اور اس کی روشنی میں اپنی اصلاح کریں۔ یہ اللہ کا ایک ایسا قانون ہے جس سے تمام رسولوں کی قومیں متاثر ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں ہوا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ۔ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الۡحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَۃً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ۔ (اعراف ۷: ۹۴۔ ۹۵)

''اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا اس کے باشندوں کو مالی اور جسمانی مصائب سے آزمایا کہ وہ رجوع کریں۔ پھر ہم نے دکھ سے سکھ کو بدل دیا یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ دکھ اور سکھ ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ اس کا کوئی گمان بھی نہیں رکھتے تھے۔''

دوسرے مقام پر خود قریش کے بارے میں واضح طور پر بتایا ہے کہ جب تک فیصلہ کن مرحلہ نہیں آجاتا ان پر

آفتوں اور مصیبتوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ . (الرعد ۱۳:۳۱)

''ان کافروں کو برابر کوئی نہ کوئی آفت ان کے اعمال کی پاداش میں پہنچتی رہے گی یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کے ظہور کا وقت آ جائے۔ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔''

قرآن مجید کے اس بیان کا تقاضا یہ ہے کہ قریش پر متعدد آزمائشیں آئی ہوں لیکن تاریخ نے ان کو محفوظ نہیں کیا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک آزمائش کا ذکر کرتے ہیں کہ قریش کی ضد وانانیت کے اسی زمانہ میں ان پر سخت قحط آیا یہاں تک کہ آدمی بھوک کے مارے زمین اور آسمان کے درمیان دھواں سا دیکھتے تھے۔ ہوسکتا ہے اس دوران میں قریش کو تجارت میں نقصانات ہوئے ہوں اور یہ چیز ریکارڈ میں نہ آئی ہو۔

عذاب الٰہی کے بارے میں اللہ کا قانون:

کسی قوم کی طرف رسول کی بعثت اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہوتا ہے۔ رسول اپنی قوم کے افراد کے مزاج اور ان کی روایات سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ اس لیے جب وہ انھی کے ایک فرد کی حیثیت سے قوم کی زبان میں رب کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے تو حقیقت میں وہ سب سے بڑی دولت ان میں بانٹ رہا ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف وہ اپنی دنیا کو سنوار سکتے بلکہ آخرت میں فلاح کے مستحق بھی ہو سکتے ہیں۔ کسی قوم کے لیے یہ بڑی بدبختی کی بات ہوتی ہے کہ وہ اپنے رسول کی ناقدری کرے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دے۔ اس صورت میں وہ قوم اللہ کے اس عظیم انعام کو اپنے لیے ایک عظیم مصیبت بنا لیتی ہے۔ چونکہ وہ رسول کی آمد کے نتیجہ میں خدا کے پیغام کی مخاطب بن جاتی ہے اس لیے اس کی بے پروائی کا مطلب کائنات کے بادشاہ حقیقی اور اپنے خالق و مالک کے فرمان سے بے اعتنائی ہوتا ہے اور یہ حرکت اللہ سے بغاوت ہے جس کی سزا سے وہ قوم اپنے آپ کو نہیں بچا سکتی۔ اگر قوم پیغام کی قدر کرتی ہے تو اس پر رب کریم کی رحمت کے مزید دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کے لیے زمین اپنے خزانے اگل دیتی اور آسمان اس کی خوشحالی میں اپنا حصہ ادا کرتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ کے رسول کو بشیر اور نذیر کہا جاتا ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے والوں کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناتا اور حق کے جھٹلانے والوں کو ان کی بدانجامی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سے خبردار کرتا ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی بعثت کے ساتھ ہی اس کی قوم کے ایمان لانے کے لیے ایک مدت ٹھہرا دی جاتی ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ رسول کو بھی اس سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ قوم جب خدا کے پیغام کو نظر انداز کرتی ہے تو رسول کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس کو اس کی اس حرکت کے انجام سے آگاہ کرے اور بتائے کہ اس پیغام کی تکذیب کے نتیجہ میں قوم پر دنیا میں بھی عذاب آئے گا اور آخرت میں بھی وہ مجرمین کی صف میں ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو نہایت دردمندی سے سمجھاتے کہ رب کے پیغام کو جھٹلا کر وہ اپنے آپ کو اسی عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں جو نابود ہو جانے والی اقوام، عاد اور ثمود وغیرہ، پر آیا۔ قوم آپ سے یہ سوال کرتی کہ یہ عذاب کب آئے گا، ہم اس کو دیکھنا چاہتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت صاف گوئی سے کام لے کر بتا دیتے کہ میں عذاب کے آنے کی خبر تو پورے یقین کے ساتھ دے سکتا ہوں لیکن اس کے آنے کے وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کا علم صرف خدا کو ہے اور یہ امور غیب سے ہے۔

قریش کے لیے نزول عذاب کے اشارے:

قریش کے پیہم اصرار پر کہ ان پر عذاب کیوں نہیں آ رہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی آسمانی کے ذریعے اشارے دیے گئے کہ عذاب کا آنا تو ایک حقیقت ہے لیکن متعین طور پر اس کا علم نہیں دیا جا سکتا۔ ممکن ہے وہ تمھاری زندگی میں آئے اور اس کا کچھ حصہ تم دیکھ سکو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو موخر کر دے اور تم اپنے مکذبین کا حشر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکو۔ لہٰذا تم پوچھنے والوں کو متعین طور پر کچھ نہ بتاؤ کہ یہ عذاب کب آئے گا۔ سورہ یونس میں فرمایا:

وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيد' عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُول' فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا

''یا تو ہم تم کو اس (عذاب) کا کوئی حصہ دکھا دیں گے جس کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا تمھیں وفات دیں گے تو ان کی واپسی ہماری طرف ہوگی۔ پھر اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو وہ کر رہے ہیں۔ اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب ان کا رسول آ جاتا ہے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یُظۡلَمُوۡنَ۔ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ۔ قُلۡ لَاۤ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ۔ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ"۔ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ۔ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَتٰکُمۡ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّا ذَا یَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ۔ **(یونس۱۰: ۴۶۔۵۰)**

اوران پرکوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔اوروہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگرتم سچے ہو۔ کہہ دو کہ میں اپنی ذات کے معاملہ میں بھی کسی نقصان اورنفع پرکوئی اختیارنہیں رکھتا مگر جواللہ چاہے۔ ہرامت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا وقت آ جاتا ہےتو پھرنہ ایک گھڑی پیچھے ہوتے نہیں ہیں یا تمھیں وفات دیں گے پس ان کی واپسی آ گے۔ ان سے کہو کہ بتاؤ کہ اگراللہ کا عذاب تم پر رات میں آ دھمکے یا دن میں، تو کیا چیز ہے جس کے بل پر مجرمین جلدی مچائے ہوئے ہیں؟''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قریش کومتنبہ کیا گیا کہ وہ اپنے آپ کواگلی قوموں سے مختلف نہ سمجھیں۔کسی بھی قوم میں جب رسول کی بعثت ہوتی ہےتواس کے لیے فیصلہ کن مرحلہ آ جاتا ہے۔ اگراللہ تعالیٰ اس کے لیے عذاب دنیا کا فیصلہ کرتا ہےتو پھرنہ اس قوم کا نسب نامہ دیکھا جاتا ہےاورنہ اس کی طاقت وجمعیت کا کچھ لحاظ کیا جاتا ہے۔وہ اسی انجام سے دوچار ہوتی ہے جوانجام قوم عاداورقوم ثمود یا دوسری معذب قوموں کا ہوا:

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ۔ اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡا اِلَّا اللّٰهَ۔ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ کٰفِرُوۡنَ. (حٰم السجدہ۴۱: ۱۳-۱۴)

''پس اگروہ اعراض کرتے ہیں توان سے کہہ دو کہ میں تمھیں اسی طرح کے کڑکے سے خبردار کرتا ہوں جس طرح کا کڑکا عاداورثمود پرنازل ہوا جب کہ ان کے پاس رسول ان کے آگے اوران کے پیچھے سے آئے، اس دعوت کے ساتھ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا تو ہم تو اس پیغام کے منکر ہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوم کی ضد سے پریشان ہوتے تو سوچتے کہ میری کسی کوتاہی کے سبب سے تو قوم اپنے موقف پرنہیں اڑ گئی ہے۔قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوتسلی دی کہ ایسا ہرگز نہیں۔آپ تو تبلیغ کے کام میں اس سے زیادہ

مشقت اٹھا رہے ہیں جتنی آپ سے توقع کی جاتی تھی۔ آپ کا کام رب کا پیغام قوم کو سنا دینا ہے۔ اس پیغام کو دلوں میں اتارنا اور اس کے مطابق ان کے رویوں کو درست کرنا آپ کی ذمہ داری میں شامل نہیں۔ اگر یہ اس پیغام کو نہیں مانیں گے تو ان کو عذاب الٰہی کا سامنا کرنا ہوگا۔ قریش کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی کہ اپنی تمام تر قوت و شوکت کے باوجود وہ عذاب سے کس طرح تباہ ہو سکتے ہیں اور بے سہارا مسلمان کیسے فتح مندی کا دعویٰ کر سکتے ہیں تو قرآن نے ان کو دعوت دی کہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ مکہ کے گردونواح میں کس تیزی سے نیا دین مقبول ہو رہا ہے اور شہر مکہ کو کس طرح گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔

وَ اِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَ عَلَيۡنَا الۡحِسَابُ۔ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا۔ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ۔ وَهُوَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ۔ (الرعد۱۳: ۴۰۔۴۱)

''اور جس چیز کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں اس کا کچھ حصہ یا تو ہم تم کو دکھا دیں گے یا ہم تم کو وفات دیں گے۔ پس تمھارے اوپر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے حساب کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم سرزمین (مکہ) کی طرف اس کو اس کے اطراف سے کم کرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں۔ فیصلہ اللہ کرتا ہے اور کوئی اس کے فیصلہ کو ہٹانے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان آیات سے واضح اشارہ اس بات کا نکلتا ہے کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ میں شکست کھا جائیں گے اور مکہ فتح کر لیا جائے گا۔ اور غور کرنے والوں کو اس کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ مکہ کے گردونواح میں آباد قبائل میں اسلام کا اثر، عرب سے باہر حبشہ میں اس کی پذیرائی اور مکہ کے اندر ان لوگوں کی معتدبہ تعداد کہ جو اسلام قبول کر کے اس کے لیے جانیں فدا کرنے پر آمادہ اور آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے ہیں، اس بات کی علامت ہیں کہ ہر گزرنے والا دن قریش کے گرد گھیرا تنگ کرنے کا باعث ہوگا۔ البتہ اس بات کو مبہم چھوڑ دیا گیا کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس صورت حال کا مشاہدہ کر سکیں گے یا نہیں جس سے قریش کو دوچار ہونا پڑے گا۔

اَ كُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ۔

''کیا تمھاری قوم کے کفار ان قوموں کے کفار سے کچھ بہتر ہیں یا تمھارے لیے آسمانی

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ۔ سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ۔ بَلِ السَّاعَۃُ مَوۡعِدُھُمۡ وَالسَّاعَۃُ اَدۡھٰی وَ اَمَرُّ۔ (القمر۵۴: ۴۳۔۴۶)

صحیفوں میں برأت نامہ لکھا ہوا ہے؟ کیا ان کا زعم یہ ہے کہ ہم مقابلہ کی قوت رکھنے والی جمعیت ہیں؟ یاد رکھیں کہ ان کی جمعیت عنقریب شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ ان سے جو وعدہ ہے اس کے پورا ہونے کا اصلی وقت تو قیامت کا دن ہے اور قیامت کا دن بڑا ہی سخت اور نہایت کڑوا ہے۔‘‘

قابل غور بات یہ ہے کہ القمر کی آیات میں بھی عذاب کی نوعیت کے بارے میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ مقابلہ میں کفار کی جمعیت کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ حالانکہ اس دور میں جب یہ سورہ نازل ہوئی مسلمان سخت دباؤ میں تھے اور قریش ان کو جینے کا حق دینے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ اس طرح کے حالات میں مستقبل کے بارے میں ایک پیشینگوئی کو حقیقت سمجھنا قریش کے لیے ناقابل فہم تھا۔ لیکن اہل ایمان نے اس سے جو اطمینان حاصل کیا ہوگا، اس کا بس اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔

قریش کو جس قریبی عذاب کی خبر دی جا رہی تھی اس کے بارے میں قرآن نے یہ اشارہ بھی دیا کہ اس کا ہدف قریش کا قلع قمع کرنا نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے پیغام کی طرف رجوع کریں اور اس عذاب کا نوالہ بننے والوں کے انجام کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں، اور اپنی اصلاح کر لیں تاکہ بڑے عذاب سے بچ سکیں۔

وَلَنُذِیۡقَنَّھُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَکۡبَرِ لَعَلَّھُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ۔ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡھَا۔ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ۔ (السجدہ ۳۲: ۲۱۔۲۲)

’’اور ہم ان کو بڑے عذاب کے سوا قریب کا عذاب بھی ضرور چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں۔ اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جن کو ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سے یاددہانی کی جائے، پھر وہ ان سے اعراض کریں۔ ہم ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے۔‘‘

جوں جوں مکہ کے حالات سنگین سے سنگین تر ہو رہے تھے عذاب کی دھمکی کی شدت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا اور قریش کو خبردار کیا جا رہا تھا کہ عذاب جب آئے گا تو اس سے بچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکے گی۔ ان سے

پوچھا گیا کہ اگر خدا تمھارے قدموں کے نیچے کی زمین دھنسا دے اور تم پاتال میں چلے جاؤ تو کون تمھیں بچا سکے گا؟ اگر کنکر پتھر برسانے والی ہوا تمھارے اوپر مسلط ہو جائے تو کون سی طاقت اس کا رخ پھیر سکے گی؟ اگر اللہ تعالیٰ زمین کی تہوں میں موجود پانی ہی کو گہرا اتار دے تو صاف ستھرا پینے کا پانی کون تمھارے لیے مہیا کر سکتا ہے؟ پس عذاب سے بچنے کے لیے رسول کا دامن تھام لو۔ اس کی رہنمائی میں زندگی گزارو یہی چیز تمھاری حفاظت کی ضامن ہے۔

عذاب الٰہی کی نشانی کا مطالبہ:

اللہ کا رسول جب اپنی قوم کو عذاب سے ڈراتا اور اس سے بچنے کے لیے ان کو ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے تو قوم کے بد بخت سردار اس کو اپنے لیے ایک چیلنج سمجھ لیتے ہیں۔ وہ نہایت بے باکی سے یہ مطالبہ شروع کر دیتے ہیں کہ لو، ہم تمھاری تعلیم کا علی الاعلان انکار کرتے ہیں۔ اب لاؤ وہ عذاب جس کی دھمکی تم ہمیں دے رہے تھے۔ اور اگر تم عذاب نہیں لا سکتے تو اس کی کوئی نشانی اور علامت ہی مقرر کر دو جو تمھاری حقانیت کا ثبوت ہو۔ اللہ کا رسول خود سے کوئی نشانی بھی مقرر نہیں کر سکتا۔ یہ کام اس کے دائرہ اختیار میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے نشانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے پیغمبر کے لیے عذاب کی خبر دینا لیکن نشانی دکھانے پر قادر نہ ہونا دشمنوں کے استہزاء کا باعث ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے بار بار یہ بات واضح کی کہ پیغمبر سے نشانی طلب کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تبلیغ کے لیے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے۔ کفار اور مکذبین کی حرکتیں خدا کی نظر میں ہیں اور برابر ان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ جب عذاب نازل ہونے کا وقت آئے گا تو ان کی کوئی تدبیر اس کو روک نہیں سکے گی۔ فرمایا:

وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَا اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ۔ اِنَّمَا اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ۔ اَللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ اُنۡثٰى وَمَا تَغِيۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ۔ وَكُلُّ شَىۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ۔ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ.

''اور جنھوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ تم تو بس ایک آگاہ کر دینے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے ہر مادہ کے حمل کو اور جو کچھ رحموں میں گھٹتا اور بڑھتا ہے اس کو بھی، اور ہر چیز اسکے ہاں ایک اندازہ کے مطابق ہے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

(الرعد ۱۳: ۷۔۹) وہ غائب و حاضر سب کا جاننے والا، عظیم اور عالی شان ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ حاملہ کے وضع حمل کا مرحلہ یقینی ہوتا ہے لیکن اس کے لیے ایک اندازہ مقرر ہوتا ہے۔ کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس لمحہ بچہ جنے گی۔ اسی طرح عذاب آنے کے لیے بھی اندازہ مقرر ہے۔ اس کا آنا ناگزیر ہے البتہ اس کے لیے وقت کا تعین کوئی نہیں کرسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کی چیز ہے۔

کفار جب اللہ کے رسول سے عذاب کی نشانی دکھانے کا مطالبہ کرتے ہیں تو ایک طرف اس کو یقین دلاتے ہیں کہ جونہی نشانی ہمیں دکھا دی جائے گی ہم آپ کی دعوت پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ رسول دل سے متمنی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی معجزہ اور نشانی دکھا ہی دے تو میری قوم کی ہدایت کی راہ کھلے۔ دوسری طرف جب وہ یہ مطالبہ پورا نہیں کرسکتا تو وہی لوگ اس کو طنز کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ یہ صورت حال بھی رسول کے لیے نہایت پریشانی کا باعث ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون آڑے آجاتا ہے۔ پیغمبر اگر تمنا کا اظہار کرنے میں کچھ زیادہ ہی رغبت دکھائے تو اس کو سختی سے روک دیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی خاطر اللہ اپنے قوانین نہیں بدل سکتا۔ اسی طرح کے ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا:

وَاِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِىَ نَفَقًا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاۡتِيَهُمۡ بِاٰيَةٍ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى الۡهُدٰى فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ۔ اِنَّمَا يَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ يَسۡمَعُوۡنَ‌ؕ وَالۡمَوۡتٰى يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ۔ (الانعام ۶: ۳۵۔۳۶)

''اور اگر ان کا (قریش کا) اعراض تم پر گراں گزر رہا ہے تو اگر تم زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ ڈھونڈ سکو کہ ان کے پاس کوئی نشانی لا دو (تو ایسا کر دیکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، تو تم ہرگز جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنو۔ بات تو وہی مانیں گے جو سنتے سمجھتے ہیں۔ رہے یہ مردے تو اللہ ان کو اٹھائے گا، پھر یہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

قرآن نے یہ بات واضح کی کہ ساری کائنات، آسمان، زمین اور چرند پرند خدا کی خالقیت، قدرت، حکمت، رحمت و ربوبیت کی لاتعداد نشانیاں ہی تو ہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ لوگ ان نشانیوں پر غور کرنے کی عادت ڈالیں اور زندگی کے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ نشانیاں اللہ رب العزت کی وحدانیت، اس کی تمام صفات، اس کی صفت عدل کے مظہر روز قیامت اور جزا و سزا کے نظام، سب کو واضح و روشن کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ اگر ان

سے یہ لوگ سبق سیکھ لیں تو پھر کسی عذاب کی نشانی کے بھیجنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ وہ نشانی اگر نمودار ہوگئی تو کفار کا خاتمہ پھر قریب کی بات ہوگی۔ جو لوگ روزمرہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے وہ عذاب کی نشانی دیکھ کر بھی راہ راست پر نہیں آتے۔ فرمایا:

وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا۔ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔ وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ۔ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا۔ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا۔ وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ۔ وَ نُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۵۸۔۶۰)

''اور کوئی بستی (جس میں رسول بھیجا گیا ہو) ایسی نہیں ہے جس کو قیامت سے پہلے ہم ہلاک نہ کر چھوڑیں یا اس کو کوئی سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور ہم کو نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس چیز نے کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے قوم ثمود کو ایک اونٹنی ...... ایک آنکھیں کھول دینے والی نشانی...... دی تو انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اس کی تکذیب کر دی اور ہم نشانیاں بھیجتے ہیں تو ڈرانے ہی کے لیے بھیجتے ہیں۔ اور یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا کہ تمھارے رب نے ان لوگوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے، اور وہ رویا جو ہم نے تم کو دکھائی تو اس کو ہم نے لوگوں کے لیے ایک فتنہ ہی بنا دیا، اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت وارد ہوئی۔ اور ہم تو ان کو ڈراتے ہیں لیکن یہ چیز ان کی غایت سرکشی میں اضافہ کیے جا رہی ہے۔''

یہاں قوم ثمود کی اونٹنی کا حوالہ ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام اس قوم کی طرف رسول تھے۔ جب طویل مدت کی تبلیغ کے بعد بھی ان کی قوم نے اصلاح قبول نہ کی اور حضرت صالح اس کو عذاب سے ڈرایا تو انھوں نے عذاب کی نشانی مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت صالح نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک اونٹنی مقرر کر دی کہ اگر قوم اس کو کوئی گزند پہنچائے گی تو پھر عذاب نمودار ہو جائے گا۔ قوم کے ایک بدبخت آدمی نے اونٹنی کو زخمی کر دیا تو عذاب کے آنے میں جو رکاوٹ تھی وہ دور ہوگئی اور قوم ثمود ملیامیٹ ہوگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں بتایا ہے کہ آپ دیکھتے نہیں کہ جب قریش کو ان حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے جو قریش کی شکست اور اسلام کے غلبہ کی دلیل ہیں تو یہ لوگ ان کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ یہ اپنی خوش فہمیوں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہی میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں۔ یہاں تین ایسے حقائق کا حوالہ دیا ہے جن سے قریش نے مطلوب اثر قبول نہ کیا۔ پہلی حقیقت یہ کہ مکہ کے گرد ونواح میں بسنے والے قبائل میں اسلام کی دعوت اپنا اثر دکھا رہی ہے اور ان میں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ حالت ہوگی کہ مکہ مسلمانوں کے گھیرے میں ہوگا۔ اس وقت قریش کو شکست قبول کرنے کے سوا کوئی چارا نہیں ہوگا۔ (کئی سالوں کے بعد مکہ فتح ہوا تو قریش نیز اہل مکہ نے ہتھیار ڈال دیے اور یہ شکست پورے اہل عرب کے اسلام لانے کا ذریعہ بنی)۔ دوسری حقیقت یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رویا دکھائی گئی اس سے قریش نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور اس کو مذاق میں اڑا دیا۔ رویا سے مراد اسراء و معراج کی رویا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی روحانیت اور برکات کا حقیقی وارث بتایا گیا اور اس میں نہ صرف قریش اور عرب کے مشرکین بلکہ یہود و نصاری کے لیے بھی یہ پیغام تھا کہ ان دونوں عظیم عبادت گاہوں کی تولیت اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرووں کو منتقل کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (یہ فیصلہ فتح مکہ کے بعد اور پھر حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں بروئے کار آیا)۔ تیسری حقیقت یہ کہ قرآن نے جہنمیوں کے لیے تھوہر کے درخت کا کھانا مہیا کرنے کی خبر دی لیکن بجائے اس کے کہ لوگ اس خبر سے دہشت زدہ ہوتے اور راہ حق کو اختیار کرتے، انھوں نے جہنم کے اس درخت ہی کو مذاق بنا لیا۔ اس طرح قریش نے ثابت کر دیا کہ انہیں اپنی خوش فہمیوں سے نکلنا گوارا نہیں۔ اگر عذاب کی نشانی بھی ان کو دکھا دی جائے گی تب بھی یہ اس کو جادو قرار دے کر اس کا انکار کر دیں گے۔ سلامتی کی راہ یہ ہے کہ یہ قرآن کو غور سے سنیں اور اس کی تعلیم کو حرز جان بنائیں۔ فرمایا:

اَوَلَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ۔ (العنکبوت ۲۹:۵۱)

”کیا ان کے لیے یہ چیز کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری۔ وہ ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے۔ بے شک اس کے اندر رحمت اور یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔“

شق قمر کی نشانی کا ظہور:

قریش کے لیے عذاب کی فیصلہ کن نشانی تو مقرر ہوئی اور نہ اس کا ظہور ہوا۔ لیکن اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار اور رسول اللہ کی دی ہوئی خبروں کی صداقت کے اثبات کے لیے شق قمر کی ایک غیر معمولی نشانی دکھائی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ قریش کے پیہم اصرار پر کہ دوسرے رسولوں کی طرح کا کوئی معجزہ ہمیں بھی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

دکھایا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توجہ دلائی کہ چاند کی طرف دیکھو۔ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک جبل نور کے سامنے کی جانب اور دوسرا اس کے پیچھے جاتا نظر آیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس پر گواہ رہو۔ لیکن قریش نے حسب معمول اس کو جادو قرار دیا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کا تذکرہ یوں کیا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ وَ كَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَاءَ هُمْ وَ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ۔ وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ۔ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىْءٍ نُّكُرٍ۔ (القمر ۵۴: ۱۔۶)

''عذاب کی گھڑی سر پر آ گئی اور چاند شق ہو گیا۔ اور یہ (قریش) کوئی سی بھی نشانی دیکھیں گے تو اس سے اعراض ہی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اور انھوں نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اور ان کو ماضی کی سرگزشتیں پہنچ چکی ہیں جن میں کافی سامان عبرت موجود ہے۔ نہایت دل نشین حکمت۔ لیکن تنبیہات کیا کام دے رہی ہیں۔ تو ان سے اعراض کرو (اور اس دن کا انتظار کرو) جس دن پکارنے والا ان کو ایک نہایت ہی نا مطلوب چیز کی طرف پکارے گا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وحی الٰہی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ کو وحی کا شدت سے انتظار ہوتا۔ آپ وحی جلد نازل ہونے کی تمنا بھی فرماتے۔ بعض معاملات میں آپ کو کسی معاملہ کے آسمانی فیصلہ کا انتظار ہوتا تو فرشتہ وحی کی راہ تکتے آپ کی نظریں بار بار آسمانوں کی طرف اٹھ جاتیں۔ آپ کو یہ خیال بھی ہوتا کہ اگر میں پچھلی وحی کا سبق جلد یاد کر لوں گا تب اگلی وحی کے نزول کا حق دار بن جاؤں گا۔ چنانچہ جب فرشتہ وحی کا پیغام لاتا تو آپ اس کو جلدی جلدی اخذ کرنے کی کوشش فرماتے تاکہ اس کو محفوظ کر لیں۔ قرآن میں آپ کو ایسا کرنے سے روکا گیا کہ وحی کے معاملہ میں آپ کی جلد بازی مناسب نہیں ہے۔ وحی کی تکمیل کے لیے خدا نے جو مدت ٹھہرا رکھی ہے اس کے پورا ہونے ہی میں مصلحت ہے۔ اس وقت تک بس علم وحی میں اضافہ کے لیے دعا کیا کرو۔

فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

''اللہ بادشاہ حقیقی بہت برتر ہے۔ پس تم قرآن کے لیے، اپنی طرف اس کی وحی پوری کیے جانے سے پہلے، جلدی نہ کرو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب، میرے علم میں افزونی فرما۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین واطمینان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ وحی کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنی زبان سے معذرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں کہ ہمارا اترنا ہماری اپنی مرضی سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ وحی پانے کے لیے چشم براہ ہوتے ہیں لیکن اس شوق کی تسکین کے لیے جلدی جلدی وحی لانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ جونہی ہمیں حکم دیا جاتا ہے ہم بلا تاخیر اور بغیر کسی کوتاہی کے آپ کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں اور پورے صبر واستقامت کے ساتھ اس پر جمے رہیں۔ آپ کی مشکل کا مداوا اللہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَہٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا۔ (مریم ۱۹:۶۴)

''اور ہم اپنے رب کے حکم کے سوا نہیں اترتے۔ ہمارے آگے اور پیچھے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب اسی کے اختیار میں ہے۔ اور آپ کا رب کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے۔''

وحی نازل ہوتی تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش مسائل کے حل کے لیے رہنمائی ہوتی۔ مخالفین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب ہوتا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نئی قوت حاصل ہوتی جس سے آپ نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ حالات کا مقابلہ فرماتے۔

کثرت نماز اور صبر کی تلقین:

قریش کے اٹھائے ہوئے مخالفت کے طوفان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تربیت کے لیے بھی ہدایات ہوتیں۔ بطور خاص آپ کو کثرت سے نماز ادا کرنے کا حکم دیا جاتا اور بتایا جاتا کہ نماز آپ کی دعوت کی کامیابی کی کلید ہے۔ جتنا زیادہ آپ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں گے اتنا آپ کا اعتماد اس پر بڑھے گا۔ اور آپ اپنے معاملات اس کے حوالہ کریں گے تو وہ آپ کو سنبھالے گا۔ اسی طرح اپنے موقف کی حقانیت پر کامل یقین کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر استقامت دکھائی جائے۔ جب آدمی مشکل سے مشکل حالات میں صبر کا دامن نہیں چھوڑتا تو ہر نیا چیلنج اس کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اندر نیا عزم و حوصلہ اور اپنے موقف کے ساتھ مضبوط تر وابستگی پیدا کرتا ہے۔ نبی ﷺ کی رہنمائی کے لیے ماضی کے رسولوں کے متعدد واقعات بار بار سنائے گئے کہ انھوں نے اپنے اپنے زمانہ میں حالات کا مقابلہ کس صبر و عزیمت کے ساتھ کیا۔ حضور ﷺ کی تربیت کے لیے بعض ہدایات ملاحظہ ہوں:

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ نِّصْفَه‘ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا۔ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ اِنَّا سَنُلْقِی عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا۔ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا۔ وَاذْكُرِاسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ وَذَرْنِی وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا.
(المزمل ۷۳: ۱۔۱۱)

’’اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کر مگر تھوڑا حصہ۔ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دے یا اس پر کچھ زیادہ کر لے۔ اور قرآن کی تلاوت کر ٹھہر ٹھہر کر۔ ہم تم پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات میں اٹھنا دل جمعی اور فہم کلام کے لیے نہایت خوب ہے۔ دن میں بھی تمہارے لیے کافی تسبیح کا موقع ہے۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور اس کی طرف گوشہ گیر ہو جا۔ وہی مشرق و مغرب کا خداوند ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنا اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ان کو خوبصورتی سے نظر انداز کر۔ اور ان خوشحال جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ اور ان کو کچھ دیر اور مہلت دے۔‘‘

چادر میں لپٹنے والے سے مراد حالات سے پریشان، فکرمند اور سوچ بچار میں گم شخص ہے۔ یہ تصویر نبی ﷺ کی ہے۔ آپ صورت حال سے مغموم، اپنی قوم کی ضد سے پریشان سوچتے کہ میں اس کو کس طرح خدا کے پیغام کی طرف لاؤں اور اس کی وحشت دور کروں۔ آپ چادر تان کر اس میں ماحول سے لاتعلق ہو کر غور و فکر کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رات کے بیشتر اوقات میں نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کرنے کا حکم دیا تا کہ اس کے پیغام کی صحیح معرفت اور اپنے رب پر کامل اعتماد و توکل آپ کو حاصل ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۔وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ (طٰہٰ۲۰: ۱۳۰۔۱۳۲)

’’تو جو کچھ (مخالفین) کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی، اس کی حمد کے ساتھ، تسبیح کرو، سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے۔ اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم نہال ہو جاؤ۔ اور ان کی بعض جماعتوں کو آسائش زندگی کی جس رونق سے ہم نے، ان کی آزمائش کے لیے، بہرہ مند کر رکھا ہے اس کی طرف نگاہ نہ اٹھاؤ۔ اور تمھارے رب کا ذکر بہتر اور پائیدار ہے۔ اور اپنے لوگوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر جمے رہو۔ ہم تم سے رزق کا مطالبہ نہیں کرتے۔ ہم تم کو رزق دیں گے اور انجام کار کی فیروز مندی تقویٰ کے لیے ہے۔‘‘

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ۔ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَالْمُحْسِنِيْنَ۔

(ہود ۱۱: ۱۱۲۔۱۱۵)

’’پس تم جمے رہو جیسا کہ تمھیں حکم ملا ہے، اور وہ بھی جنھوں نے تمھارے ساتھ توبہ کی ہے اور کج نہ ہونا۔ بے شک وہ، جو کچھ تم کر رہے ہو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہونا جنھوں نے ظلم کیا کہ تمھیں بھی دوزخ کی آگ پکڑے۔ اور تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی نہیں۔ پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گی۔ اور نماز کا اہتمام کرو دن کے دونوں حصوں میں اور شب کے کچھ حصہ میں۔ بے شک نیکیاں بدیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ یاد دہانی ہے یاد دہانی حاصل کرنے والوں کے لیے۔ اور ثابت قدم رہو، اللہ خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔‘‘

اہل ایمان کا لحاظ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دلبستگی کا بڑا سامان آپ کے وہ ساتھی تھے جو آپ کی دعوت پر لبیک کہہ کر اہل ایمان کے قافلہ میں شامل ہو گئے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی ریشہ دوانیوں سے پریشان ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے یہ پیغام ملتا کہ آپ اپنے ساتھیوں کی موجودگی سے اطمینان حاصل کریں، ان کے معاملات میں دلچسپی لیا کریں اور کفار سے بے اعتنائی برتیں۔ یہی وفادار ساتھی آپ کے لیے کفایت کریں گے۔

اوپر سورہ ہود کی آیات میں ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو منہ ہی نہ لگائیں۔ کفار سے ملنا ملانا اور اپنا پیغام ان کو سنانا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں شامل تھا۔ بالعموم ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لا کر ساتھی بن چکے ہوتے ہیں ان کی طرف سے ایک طرح کا اطمینان ہوتا ہے کہ یہ لوگ تو اپنے ساتھیوں میں شامل ہو چکے۔ اب توجہ دوسرے لوگوں پر مرکوز کرنی چاہیے جو ابھی تک اس پیغام سے بدکے ہوئے ہیں۔ لیکن قابل غور بات یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے گھر والوں کی خواہشات کے علی الرغم اپنی ساری دلچسپیاں رسول کے پیغام کی پیروی میں تج دی ہوں ان کے ظاہری نقصان کی تلافی کی واحد شکل یہ ہوتی ہے کہ اللہ کا رسول ان کو اپنی خصوصی توجہ کا محور بنائے، ان کی مشکلات میں ان کو دلاسا دے اور حق پر استقامت کی خصوصی بشارتوں سے ان کو نوازے۔ اس مقصد کی خاطر اگر وقتی طور پر اسے کفار کے بڑے لوگوں سے بے اعتنائی بھی برتنی پڑے تو وہ ان سے بے اعتنائی بھی برتے۔ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر اس سلسلہ میں ہدایات دی گئیں:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه‘۔ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ۔ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ‘‘ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّه‘ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّه غَفُوْرٌ‘‘ رَّحِيْمٌ‘‘۔

’’اور تم ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجیو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی خوشنودی چاہتے ہوئے۔ ان کی ذمہ داری کا کوئی حصہ تم پر نہیں اور نہ تمھاری ذمہ داری کا کوئی حصہ ان پر ہے کہ تم ان کو اپنے سے دور کر کے ظالموں میں سے بن جاؤ۔ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے سے آزمایا ہے کہ وہ کہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہمارے درمیان سے اپنے فضل کے لیے چنا؟ کیا اللہ شکرگزاروں سے اچھی طرح واقف نہیں، اور جب تمھارے پاس وہ لوگ آیا کریں جو ہماری آیات پر ایمان لائے تو تم ان کو کہو کہ تم پر سلامتی ہو۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

(الانعام ۶: ۵۲۔۵۴)

تمہارے رب نے انبیا پر رحمت واجب کر رکھی ہے۔ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے گا، پھر وہ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لے گا تو وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

لَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ (الحجر ۱۵: ۸۸)

''ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو جن چیزوں سے بہرہ مند کر رکھا ہے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو اور نہ ان کی حالت پر غم کرو، اور اپنی شفقت کے بازو اہل ایمان پر جھکائے رکھو۔''

ابن ام مکتوم کی آمد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری:

سورہ عبس میں ایک واقعہ کا حوالہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرشی سرداروں سے گفتگو فرما رہے تھے اور ان تک دین کی تعلیم پہنچا رہے تھے کہ اسی دوران میں ایک صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ نکلے۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی تھے اور تھے نابینا۔ کفار کے سامنے عین تبلیغ کے دوران ان کا موقع پر آ نکلنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوا۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ اب قرشی سرداروں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ تمہارا ساتھ اسی طرح کے معذور اور کچھ غریب لوگ دے رہے ہیں۔ ان کو تو تم نے بے وقوف بنا لیا۔ اب چاہتے ہو کہ ہم بھی تمہارے دام میں گرفتار ہو کر ان کے ساتھ برابری کی سطح پر آ جائیں۔ ہم کسی طرح تمہاری دعوت قبول نہیں کر سکتے۔ مصلحت تبلیغ و دعوت کے تقاضے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے جو ناگواری ظاہر ہوئی اس پر قرآن نازل ہوا:

فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰى۔ وَمَا عَلَيۡكَ اَلَّا يَزَّكّٰى۔ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى۔ وَهُوَ يَخۡشٰى۔ فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى۔ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ۔ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔

(عبس ۸۰: ۱۔۱۲)

''اس نے (پیغمبر نے) تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا، اس پر کہ اندھا اس کے پاس آیا۔ اور تجھے کیا معلوم شاید وہ سدھرنا چاہتا ہو یا نصیحت سنتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی؟ جو بے پروائی برتتا ہے اس کے تو تم پیچھے پڑتے ہو۔ حالانکہ تم پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرے۔ اور جو تمہارے پاس شوق سے آتا ہے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تم اس سے بے پروائی برتتے

ہو! ہرگز نہیں، یہ تو ایک یاددہانی ہے تو جو چاہے اس سے یاددہانی

حاصل کرے۔‘‘

صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنی قوم کے لیے رافت و رحمت کے جذبہ اور ادائے فرض کے جوش میں نبی ﷺ فکر مند ہوئے کہ ابن ام مکتوم کی اس موقع پر آمد کفار کو بھگانے کا بہانہ نہ فراہم کر دے اس لیے آپ نے اپنے صحابی کی طرف سے منہ پھیرا لیکن اس میں وہ ہدایت آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئی جس کا ذکر اوپر سورہ الحجر کے حوالہ سے ہوا ہے۔ سورہ عبس کی آیات میں اسلوب کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضور ﷺ پر عتاب ہوا ہو، لیکن عتاب کا یہ رخ آپ کی طرف نہیں بلکہ کفار و منکرین کی طرف ہے۔ اس کی وضاحت امام حمید الدین فراہیؒ نے اپنی تفسیر میں یوں کی ہے:

> ’’اس معاملہ کی اصل نوعیت کو ایک مثال سے سمجھو۔ فرض کرو ایک نہایت مستعد اور ذمہ دار چرواہا ہے۔ اس کے گلّے کی کوئی فربہ بھیڑ گلّے سے الگ ہو کر کھو جائے، چرواہا اس کی تلاش میں نکلے، ہر قدم پر اس کی کھر کے نشانات ملتے جا رہے ہوں، جنگل کے کسی گوشہ سے اس کی آواز بھی سنائی دے رہی ہو تو چرواہا کامیابی کی امید میں دور تک نکل جاتا ہے۔ اور اپنے اصلی گلّے سے تھوڑی دیر کے لیے غافل ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ واپس لوٹتا ہے تو اس کا آقا اس کو ملامت کرتا ہے کہ تم پورے گلّے کو چھوڑ کر ناحق ایک دیوانی بھیڑ کے پیچھے ہلکان ہوئے۔ اس کو چھوڑ دیتے اسے بھیڑیا کھا جاتا تو وہ اسی کی مستحق تھی۔ بتاؤ اس میں عتاب کس پر ہوا۔ چرواہے پر یا کھوئی ہوئی بھیڑ پر۔ ظاہر ہے کہ یہ عتاب کھوئی ہوئی بھیڑ پر ہے۔ چرواہے اور گلّے کی تو اس میں زیادہ سے زیادہ دلداری ہوئی۔ بالکل یہی صورت معاملہ یہاں بھی ہے۔ عتاب کا روئے سخن بظاہر آنحضرت ﷺ کی طرف ہے لیکن خفگی کا تمام زور منکرین و معاندین پر پڑ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے لیے تو اس عتاب کے اندر شفقت و التفات کی نہایت جاں نواز ادائیں پنہاں ہیں[1]۔‘‘

www.javedahmadghamidi.org

پس سورہ عبس میں آنحضرت ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ مغروروں اور سرکشوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے کوئی ایسی شکل اختیار نہ کریں جو آپ کے بلند مرتبہ سے فروتر ہو اور کتاب الٰہی کے شایان شان نہ ہو۔ جو لوگ اس نعمت گراں مایہ سے منہ پھیر رہے ہیں وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو زیادہ اہمیت دی جائے۔ توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جو اہل ایمان کی صف میں شامل ہو گئے اور اب چاہتے ہیں کہ وہ بہتر سے بہتر اخلاق و کردار کے مالک بنیں، دین سیکھیں اور اپنے نفس کا تزکیہ کریں۔

حوالہ جات

۱؎ حمیدالدین فراہی۔ مجموعہ تفسیر فراہی۔ ص ۲۵۷

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

عثمان غنی رضی اللہ عنہ

گذشتہ سے پیوستہ

(۳)

[''سیر وسوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۷ھ میں فتح افریقہ کے بعد سیدنا عثمانؓ نے عبداللہ بن نافع بن حصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس نام کے دو جرنیلوں کو بحری راستے سے اندلس روانہ کیا۔ آپ نے ان دونوں کو خط تحریر کیا کہ قسطنطینیہ اندلس ہی کی جانب سے فتح ہو گا اگر تم فاتح ہوئے تو اجر وثواب میں حصہ دار ہو گے۔ اللہ نے اس مہم میں جیش اسلامی کو کامیابی دی تاہم اندلس ولید بن عبدالملک کے زمانے میں فتح ہوا۔ ابن ابی سرح افریقہ سے رخصت ہوئے تو عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس وہاں کے عامل مقرر ہوئے۔ ۲۷ھ میں عثمانؓ بن ابوالعاص کے ہاتھوں اصطخر دوبارہ فتح ہوا اور حضرت معاویہؓ نے قنسرین پر فوج کشی کی۔

عہد فاروقیؓ میں رومیوں نے سمندر کی جانب سے انطاکیہ پر حملہ کیا تو حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ نوزائیدہ اسلامی مملکت سمندری مہمات سر کرنے کے لیے اپنا بحری بیڑا تیار کرے۔ حضرت عمرؓ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ خلافت عثمانیؓ کی ابتدا میں رومیوں نے دوبارہ بحری حملہ کر کے اسکندریہ کی بندرگاہ اور شہر پر قبضہ کر لیا تو حضرت معاویہؓ نے یہی راے خلیفۂ سوم کے سامنے رکھی۔ ان کی دلیل تھی کہ اسلامی مملکت کی ہزاروں میل لمبی سمندری سرحد کو بحری قوت ہی کے ذریعے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے جزیرۂ قبرص پر فوج کشی کی راے بھی دی جو حمص کے پڑوس میں تھا ایک باریک سمندری پٹی ان دونوں شہروں کے بیچ حائل تھی۔ حضرت عثمانؓ کو حضرت

معاویہؓ کا مشورہ صائب محسوس ہوا لیکن اس وجہ سے متردد تھے کہ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں اس مشورے کو رد کر چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے اصرار پر انھوں نے اجازت دے دی تاہم شرط رکھی کہ صرف وہی لوگ سمندری فوج میں شامل کیے جائیں جو اپنی مرضی سے آئیں۔ حضرت معاویہؓ نے بحری جہاز تیار کرانے شروع کیے تھے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے بھی اسکندریہ میں ایک بیڑا کھڑا کر دیا۔

۲۸ھ میں حضرت معاویہ کو توقع سے بڑھ کر رضا کار حاصل ہو گئے تو وہ انھیں لے کر قبرص روانہ ہو گئے۔ ان کی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ کے علاوہ شام میں مقیم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت ابوذرؓ، حضرت ابوالدرداؓ، حضرت شدادؓ بن اوس، حضرت عبادہؓ بن صامت اور ان کی اہلیہ ام حرامؓ اس لشکر میں شامل تھے۔ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار عبادہؓ کے گھر سوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو ہونٹوں پر تبسم تھا پوچھنے پر فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ سینۂ سمندر پر یوں سوار ہو کر سفر کریں گے جیسے بادشاہ تخت پر متمکن ہوتے ہیں۔ ام حرامؓ نے کہا: دعا فرمایئے اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم آگے آگے ہو گی۔ جزیرۂ قبرص رومی کنٹرول میں تھا لیکن کسی رومی جہاز نے جیش اسلامی کا راستہ نہ روکا۔ دشمن کے بے شمار فوجی مارے گئے اور قید ہوئے تو اہل قبرص نے خلافت اسلامی کو ۷ ہزار ۲ سو دینار سالانہ جزیہ دینے کا معاہدہ کر کے صلح کر لی، اتنی ہی رقم وہ رومیوں کے شر سے بچنے کے لیے ان کو دے رہے تھے۔ یہ بلاذری کا بیان ہے۔ طبری اور ابن اثیر کہتے ہیں: جنگ قبرص میں مصر سے ابن ابی سرح کے بیڑے نے بھی شرکت کی۔ مصر سے آنے والے بحری جہازوں کی قیادت عبداللہ بن قیس جاسی نے کی جب کہ عبداللہ بن سعد شامی بیڑے کے امیر تھے۔ عبداللہ بن قیس نے اپنی بحری مہمات میں کبھی شکست نہ کھائی تھی۔ عہد اسلامی کے اس پہلے امیر البحر کو رومیوں نے ایک بار اکیلا پایا تو شہید کر دیا۔ سفر قبرص سے واپسی پر ام حرامؓ خچر سے گر کر جان بحق ہوئیں انھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ ۲۸ھ ہی میں نائلہ بن فرافصہ کلبیہ سے حضرت عثمانؓ کی شادی ہوئی جو عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہوئیں تب ولیدؓ بن عقبہ بنو کلب کے عامل تھے انھوں نے یہ نسبت طے کی۔ دوسری روایت کے مطابق سعیدؓ بن عاص نے رشتہ کرایا نائلہ کی بہن ہند بن فرافصہ ان کے عقد میں تھیں۔ حضرت عثمانؓ اس شادی سے بہت خوش تھے۔

۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو ہٹا کر ایک ۲۵ سالہ نوجوان عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، وہ ان کے ماموں زاد تھے۔ انھوں نے خراسان پر عمیر بن عثمان، اور سجستان پر عبداللہ بن عمیر لیثی کی تقرریاں کیں، عبیداللہ بن معمر کو مکران اور عبدالرحمان بن غبیس کو کرمان کی مہمات پر بھیجا۔ اس سال ایران میں معاہدات صلح

کی کئی خلاف ورزیاں ہوئیں۔ اہل اصطخر کی عہد شکنی پر عبداللہ بن عامر، ابو برزہؓ اسلمی، معقلؓ بن یسار اور عمرانؓ بن حصین نے قابو پایا۔ عبداللہ نے دارابجرد اور جور کی بغاوتوں کو بھی فرو کیا۔ واقدی کے قول کے مطابق ۲۹ھ ہی میں حبیب بن مسلمہ فہری کے ہاتھوں ارمینیا فتح ہوا۔

ربیع الاول ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو توسیع دی۔ انھوں نے اس کی تعمیر نو میں منقش پتھر استعمال کرنے کا حکم دیا، ستون پتھر اور گچ سے بنوائے اور چھت پر سال (ساگوان) کی لکڑی ڈلوائی۔ اس طرح مسجد کی لمبائی ۱۶۰ گز اور چوڑائی ۱۰۰ گز ہو گئی، اس کے ۶ دروازے اسی طرح برقرار رکھے گئے جیسے عہد فاروقی میں تھے۔ خلیفۂ ثالث امسال حج پر گئے تو پہلی بار منیٰ میں خیمہ لگوایا۔ انھوں نے منیٰ و عرفات میں کامل ۴ رکعتیں ادا کیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان پر سر عام اعتراض ہوا۔ حضرت علیؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا عمل آپ کو معلوم ہے، انھوں نے ۲ رکعتیں ہی ادا کیں۔ حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے کہا: کیا آپ نے خود ان حضرات کے ساتھ نماز دوگانہ ادا نہیں کی؟ حضرت عثمانؓ کا جواب تھا: مجھے کچھ یمنیوں کے بارے میں پتا چلا وہ ۲ رکعتوں ہی کو اصل نماز سمجھنے لگے ہیں پھر میں نے مکہ میں شادی کر رکھی ہے اور طائف میں میرے مال مویشی ہیں۔ حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے کہا: اس کے باوجود آپ کے لیے یہ حضر نہیں بلکہ سفر ہے۔ آخر کار حضرت عثمانؓ نے کہا: ایک رائے تھی جو میں نے اختیار کر لی۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے کہا: اختلاف کرنا بری بات ہے میں نے تو اپنے ساتھیوں کو ۴ رکعتیں پڑھا دی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ نے ولیدؓ بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ سعیدؓ بن عاص کی تقرری کی۔ حضرت ولیدؓ ۵ سال تک عوام کے محبوب گورنر رہے تھے، کہا جاتا ہے انھوں نے ابن حیسمان خزاعی کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا تو اہل کوفہ ان کے خلاف سرگرم ہو گئے۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ ایک شاعر ابوزبید کے ساتھ مل کر شراب نوشی کرتے ہیں، یہ بھی کہا گیا کہ انھوں نے نشے کی حالت میں فجر کی ۴ رکعتیں پڑھا دیں اور پوچھا کیا اور پڑھاؤں؟ حضرت ولیدؓ کے بدخواہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے پاس گئے تو انھوں نے کہا: جو عیب ہم سے مخفی ہے، ہمیں اس کا کھوج نہیں لگانا چاہیے۔ مدینہ پہنچ کر ابوزینب اور ابوموَرع نے ان کے خلاف گواہی دے دی تو حضرت عثمانؓ نے انھیں کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ انھوں نے سعیدؓ بن عاص کو نیا گورنر بنایا اور انھیں تلقین کی، اسلام و جہاد کی طرف سبقت کرنے والوں کو ترجیح دو۔

۳۰ھ میں کوفہ کے گورنر سعیدؓ بن عاص نے طبرسان پر فوج کشی کی۔ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ، عبادلۂ اربعہ

(ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمروؓ بن عاص اور ابن زبیرؓ) اور حذیفہؓ بن یمان ان کے ساتھ تھے۔ قومس سے ہوتے ہوئے وہ جرجان پہنچے اور ۲ لاکھ دینار سالانہ جزیہ کے عوض صلح کی۔ طمیسہ میں انھیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ شدید لڑائی میں جیش اسلامی نے صلاۃ خوف ادا کی، حضرت حذیفہؓ نے راہ نمائی کی۔ آخر کار قلعۂ شہر میں بند دشمن نے امان چاہی تو حضرت سعیدؓ نے کہا کہ وہ ایک آدمی قتل نہ کریں گے، جب دروازہ کھلا تو انھوں نے ایک شخص کو چھوڑ کر سب اہل شہر کو قتل کر دیا۔ اہل جرجان معاہدے کے مطابق جزیہ ادا نہ کرتے، ان کی کارروائیوں سے قومس سے خراسان جانے کا راستہ بھی بند ہو گیا۔ یزید بن مہلب آئے تو حضرت سعیدؓ ہی کی شرائط پر ان سے دوبارہ صلح کی۔ انھوں نے بحیرہ اور دہستان کے علاقے بھی زیر کیے۔ اسی سال یزدگرد جور سے فرار ہو کر کرمان جا رہا تھا کہ حضرت مجاشعؓ بن مسعود نے ایک دستہ لے کر اس کا پیچھا کیا۔ اس نے خراسان کا رخ کر لیا حضرت مجاشعؓ اس کے تعاقب میں تھے کہ برفانی طوفان نے آن لیا۔ ان کی تمام فوج ماری گئی ان کے علاوہ محض ایک شخص اور ایک باندی بچنے پائے۔

حذیفہؓ بن یمان رے اور آذربیجان کی جنگوں میں شریک رہے۔ ایران و شام کے سفروں میں انھوں نے دیکھا کہ حمص، دمشق، کوفہ اور بصرہ کے مسلمان مختلف طریقوں سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اپنی قرآت کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اہل حمص نے مقدادؓ بن عمرو سے قرآن سیکھا (جو اسود بن عبدیغوث کا لے پالک ہونے کی وجہ سے مقدادؓ بن اسود کے نام سے جانے جاتے ہیں) جب کہ کوفہ کے رہنے والے عبداللہؓ بن مسعود کے شاگرد تھے۔ بصریوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے پڑھا انھوں نے اپنے مصحف کا نام ''لباب القلوب'' (دلوں کا جوہر) رکھا ہوا تھا۔ اپنی دینی کتاب کے بارے میں مسلمانوں کے اس اختلاف سے حضرت حذیفہ سخت پریشان ہوئے۔ انھوں نے کوفہ میں موجود صحابہؓ کو اس کے عواقب سے خبردار کیا، پھر مدینے کا رخ کیا اور اپنی تشویش سیدنا عثمانؓ کے سامنے رکھی۔ اس سے قبل عہد صدیقیؓ میں ہونے والی جنگ یمامہ میں کثرت سے حفاظ شہید ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ کو فکر لاحق ہوئی کہ قرآن کا متن ضائع نہ ہو جائے۔ ان کے حکم پر حضرت زیدؓ بن ثابت نے آیات کو یکجا املا کر کے ایک مصحف کی شکل دے دی۔ خلیفۂ اولؓ کی وفات کے بعد یہ مصحف حضرت عمرؓ کے پاس آ گیا۔ وہ شہید ہوئے تو ام المومنین حفصہؓ بنت عمرؓ کی تحویل میں رہا۔ حضرت عثمانؓ نے مصحف ان سے منگوایا، زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیرؓ، سعیدؓ بن عاص اور عبدالرحمانؓ بن حارث سے اس کی نقلیں تیار کرائیں اور تمام بلاد اسلامیہ بھجوا دیں۔ انھوں نے وہ مصاحف ضائع کرنے کا حکم بھی دیا جو اصل مصحف کے موافق نہ تھے۔ ان کے اس عمل کی سب نے تحسین کی البتہ عبداللہؓ بن مسعود اور ان کے شاگردوں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نے پسند نہ کیا۔

۳۰ھ ہی میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے مدینہ سے ۲ میل (۳،۲ کلو میٹر) دور واقع بئر اریس میں گر گئی۔ یہ کنواں ایک یہودی اریس کے نام سے منسوب تھا۔ چاندی کی انگوٹھی پر ''محمد رسول اللّٰہ'' ۳ سطروں میں نقش تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت بنوائی تھی جب اسلام کی سچی دعوت دینے کے لیے جزیرہ نماے عرب سے باہر کے سربراہان مملکت کو خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تھا کہ ملوک عجم مہر لگا خط ہی وصول کرتے ہیں۔ شیخین ابوبکرؓ و عمرؓ سے ہوتی ہوئی یہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئی۔ اپنی خلافت کے چھٹے سال انھوں نے مدینہ کے نواح میں مسجد قبا کے قریب واقع بئر اریس کی صفائی کروائی۔ وہ منڈیر پر کھڑے انگوٹھی ہاتھ میں گھما رہے تھے کہ کنویں میں جا پڑی۔ کنویں کا سارا پانی نکال کر انگوٹھی ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن وہ نہ ملی۔ تب امیر المومنینؓ نے چاندی کی ویسی ہی نئی انگوٹھی بنوائی اور اس پر وہی تین سطری عبارت نقش کرائی۔ جب انھیں شہید کیا گیا تو اس انگوٹھی کا بھی سراغ نہ ملا۔

حضرات ابوذرؓ و معاویہؓ میں نزاع بھی امسال ہی پیدا ہوا۔ دونوں اصحابؓ رسول شام میں مقیم تھے۔ ابوذرؓ مال جمع کرنے کی وجہ سے عام مسلمانوں پر تنقید کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک مسلمان کو ایک دن اور رات کے خرچ سے بڑھ کر مال اپنے پاس نہ رکھنا چاہیے زائد مال صدقہ کرنا اس کے لیے واجب ہے۔ دلیل کے طور پر وہ سورۂ توبہ کی یہ آیت پڑھتے: ''الذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم'' ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو'' (آیت ۳۴)۔ ان کے خیالات غریب مسلمانوں تک پہنچے تو وہ امرا کی دولت کو اپنا حق سمجھنے لگے۔ حضرت معاویہؓ نے اس صورت حال کی خبر حضرت عثمانؓ کو کی۔ انھوں نے حضرت ابوذرؓ کو مدینہ طلب کیا اور کہا: رعایا کو جبراً زاہد بنانا مجھ پر لازم نہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا: آپ دولت مندوں سے اس وقت تک راضی نہ ہوں جب تک وہ اپنے پڑوسیوں اور اعزہ و اقارب سے حسن سلوک نہ کر لیں۔ باتوں باتوں میں وہاں پر موجود کعبؓ احبار سے ان کا جھگڑا ہو گیا، انھوں نے کعبؓ کا سر پھاڑ ڈالا۔ آخر کار ابوذرؓ نے خود کہا مجھے مدینہ سے باہر جانے دیجیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ ''جب آبادی کوہ سلع تک آ جائے تو تم مدینہ سے چلے جانا۔'' وہ نواحی بستی ربذہ میں آ گئے وہاں ایک مسجد تعمیر کر کے رہنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے روزانہ خرچ مقرر کرنے کے علاوہ انھیں کچھ اونٹ اور خدمت کے لیے دو غلام دیے۔ یہیں ان کا انتقال ہوا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رومی سالاروں کو یقین ہو گیا تھا اگر اسلام کی بحری قوت بڑھتی رہی تو وہ کبھی مصروشام واپس نہ جا سکیں گے اس لیے انھوں نے یہ نوخیز بحریہ تباہ کرنے کی ٹھانی۔ اپنی بہتر عسکری صلاحیت اور بے شمار جنگی جہازوں پر انھیں بہت بھروسا تھا۔ ۳۱ھ، ۶۵۲ء (یا دوسری روایت کے مطابق ۳۴ھ، ۶۵۲ء) میں ہرقل کا پوتا کانسٹنز دوم (Constans II) ۵سو سے زائد بحری جہازوں کے بیڑے کی خود قیادت کرتا ہوا بحر روم (mediterranean sea) کے راستے اسکندریہ روانہ ہوا۔ ادھر گورنر مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ۲ سو جہازوں پر اپنے جنگ آزمودہ سپاہی لے کر نکلے۔ اناطولیہ (ترکی) کی قدیم ریاست Lycia کی بندرگاہ فینیکس (Phoenicus، ترکی کے موجودہ شہر Finike) پر کھلے سمندر میں فوجوں کا سامنا ہوا، رات ہونے کو تھی اور اسلامی بیڑے کے رخ میں تند ہوا چل رہی تھی۔ وہ رات رومیوں نے نقارے بجانے اور صلیب بنانے میں بسر کی جب کہ مسلمان نماز و تلاوت میں مشغول رہے۔ ابن ابی سرح نے کانسٹنز کو زمینی جنگ لڑنے کی پیش کش کی۔ اسے اپنی بحری طاقت پر ناز تھا اور وہ اسلامی بیڑا مٹانے کا عزم لے کر آیا تھا اس لیے انکار کر دیا۔ رومی جہازوں کو باندھ کر صف آرا کر دیا گیا۔ مسلمان بھی اپنا بیڑا قریب لا کر لنگر انداز ہو گئے۔ سخت جنگ چھڑ گئی سپاہی خنجروں اور تلواروں سے دست و گریباں ہوئے۔ دونوں فریقوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ہلاک اور زخمی ہونے والے سپاہی سمندر میں گرتے اور موجیں انھیں ساحل پر لا پھینکتیں اس طرح سمندر خون سے سرخ ہو گیا اور ساحل پر لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ کانسٹنز بھی شدید زخمی ہوا، بازی ہرتے ہوئے دیکھ کر اس نے بھیس بدلا اور اپنے بچے کھچے فوجیوں اور تباہ حال جہازوں کو لے کر فرار ہو گیا۔ وہ استنبول سے ہوتا ہوا صقلیہ (Sicily) پہنچا تو نصرانی سخت ناراض ہوئے اور اسے حمام میں گھسا کر مار ڈالا۔ مورخین اس معرکے کو جنگ صواری، مستولوں والی جنگ، The Battle of the Masts یا The Battle of Phoenix (Phoenicus) کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ اس میں بحری جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیے گئے تھے حتیٰ کہ یہ جگہ Phoenicus بھی ذات الصواری (مستولوں والی) کے نام سے جانی جانے لگی۔ اس جنگ کے بعد رومیوں کی سمندری برتری کا خاتمہ ہو گیا۔ انھوں نے پھر مصروشام پر بحری حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ عبداللہ بن ابی سرح نے شکست خوردہ رومیوں کا پیچھا نہ کیا کچھ روز ذات الصواری (Phoenicus) میں قیام کرنے کے بعد وہ مصر لوٹ گئے۔ فرار ہوتے ہوئے دشمن پر کاری ضرب نہ لگانے کی وجہ سے انھیں اور حضرت عثمانؓ کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ محمد بن ابو حذیفہ اور محمد بن ابو بکرؓ اس کام میں پیش پیش تھے۔

آخری ساسانی (Sassanid) بادشاہ یزدگرد عہد عثمانیؓ میں اپنے انجام کو پہنچا۔ ۳۱ھ میں وہ مرو سے فرار ہو رہا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تھا کہ کچھ ترکوں (یا مرویوں) نے اس پر حملہ کر دیا۔اس کے ساتھی مارے گئے وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔اس نے بھاگ کر ایک چکی بنانے والے کے ہاں پناہ لی ۔رات کو وہ سویا تو چکی والے نے اسے مار ڈالا تاج شاہی اور جواہرات پر قبضہ کیا اور نعش دریاے مرغاب میں پھینک دی۔ترک (یا مروی) پیچھا کرتے ہوئے آئے چکی والے کو ختم کیا اور تمام مال و اسباب چھین کر چلتے بنے۔مرو کے پادری ایلیا نے دریا سے بادشاہ کی لاش نکال کر تابوت میں رکھی پھر اسے اصطخر لے جا کر دفن کیا گیا۔کچھ شاہی زیورات حضرت عثمانؓ کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔

۳۱ھ میں عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ کے حکم پر احنف بن قیس نے مرورود کا محاصرہ کیا۔وہاں کے باشندوں نے ۱۲ لاکھ دینار سالانہ جزیہ دینے کا معاہدہ کر کے صلح کر لی تو وہ بلخ (طخارستان) کی طرف بڑھے۔تھوڑی سی لڑائی کے بعد یہ مفتوح ہوا تو انھوں نے اسید کو وہاں کا عامل مقرر کیا جنھوں نے عہد صلح کی تکمیل کی۔امسال طالقان اور فریاب بھی احنف کے ہاتھوں فتح ہوئے۔دوسری طرف اقرعؓ بن حابس نے جوز جان سر کیا۔کرمان اور خراسان سپریم کمانڈر عبداللہ بن عامر نے خود فتح کیے۔نیشاپور، سرخس اور طوس بھی ان کے ہاتھ زیر ہوئے۔اسود بن کلثوم نے بیہق پر قبضہ کیا۔سجستان عہد فاروقیؓ میں فتح ہو چکا تھا۔وہاں کے لوگوں نے عہد شکنی کی تو ربیع بن زیاد حارثی آئے اور انھیں پھر سے صلح پر مجبور کیا۔ربیع نے کرکویہ، زرنج اور سنارود کے باشندگان سے بھی معاہدات کیے۔۳۱ھ میں فتوح خراسان مکمل ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر نے نیشاپور سے احرام باندھا اور شکرانے کے لیے عمرہ ادا کرنے روانہ ہوئے۔حضرت عثمانؓ سے ملاقات کے لیے گئے تو انھوں نے ملامت کی اور فرمایا: کاش تم اس وقت کا لحاظ بھی کرتے جس میں لوگ تمھاری خدمات سے محروم رہیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خلافت راشدہ کے بابرکت دور میں ہونے والی بے شمار فتوحات کے ساتھ ۳۲ھ (۶۵۳ء) میں اہل ایمان کو ترکوں اور خزروں (Khazars) کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔خزر ایک خانہ بدوش قوم تھی جس نے دوسری صدی عیسوی میں جنوبی قفقاز (South Caucasus) یا ماورائے قفقاز (Transcaucasia) میں جنم لیا اور پھر زیریں علاقے شمالی قفقاز (North Caucasus) میں منتقل ہو گئی۔ ۷ویں صدی میں اس نے بحر قزوین (Caspian Sea) اور بحر اسود (Black sea) کے شمالی ساحل سے دریاے والگا (Volga) اور دریاے ڈینیپر (Dnieper) تک کے علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا۔آج کل کے یوکرائن، قازقستان، جارجیا، کریمیا اور آذربائیجان کے علاقے بھی اس کی خاقانی سلطنت (Khaganate) میں شامل تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ قوم خزر بن یافث بن نوحؑ کی اولاد تھی۔

ہونے والی جنگوں میں عجمیوں نے بھاری جانی نقصان اٹھایا اور سپاہ اسلام بسا اوقات کوئی جان ضائع کیے بغیر غلبہ پاتی رہی۔ مفتوحین کو خیال ہونے لگا شاید فرشتوں کی طرح مسلمانوں کو موت ہی نہیں آتی اس لیے انھوں نے ان پر موت آزمانے کا منصوبہ بنایا، وہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے جب اہل ایمان کا ایک دستہ وہاں سے گزرا تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر کے انھیں شہید کر ڈالا۔ اب ان کے حوصلے بڑھے اور وہ کسی بڑے حملے کی تیاری کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمانؓ بن ربیعہ کو خط لکھ چکے تھے کہ رعایا خفیہ تدبیریں کر رہی ہے مسلمانوں کو کسی خطرے میں نہ ڈال دینا لیکن انھوں نے اپنی مہمات بے خطر جاری رکھتے ہوئے بلنجر (بلنزر، حضرت ذوالقرنینؑ کے تعمیر کردہ بند کے قریب واقع خزر خاقانیت کا دارالخلافہ) کی طرف پیش قدمی کی۔ یہاں ترکوں اور خزر سے ان کا سخت مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے منجنیقوں کا استعمال کیا گیا۔ اس پہلی عرب خزر جنگ میں عبدالرحمانؓ اور ان کے بے شمار سپاہیوں نے شہادت پائی۔ اسلامی فوج شکست کھا کر دو حصوں میں بٹ گئی ایک حصہ زیریں شہر دربند شروان (Derbent، باب الابواب) کی طرف بھاگا اور حضرت عبدالرحمانؓ کے بھائی حضرت سلمانؓ بن ربیعہ کی قیادت میں آنے والی کمک سے جا ملا، ایک گروہ جس میں حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت ابوہریرہؓ، علقمہ بن قیس اور خالد بن ربیعہ تھے، خزر، جیلان اور جرجان میں منتشر ہو گیا۔ آخر کار حضرت سلمانؓ بن ربیعہ کے جیش نے فتح پائی اور وہی باب (دربند) کے نئے عامل مقرر ہوئے۔

(باقی)

مطالعۂ مزید: تاریخ الامم والملوك (**طبری**)، الکامل فی التاریخ (**ابن اثیر**)، المنتظم فی تواریخ الملوك والامم (**ابن جوزی**)، البدایہ والنہایہ (**ابن کثیر**)، فتوح البلدان (**بلاذری**)، عثمان بن عفان (**محمد حسین ہیکل**)، معجم البلدان (**یاقوت حموی**)، Wikipedia۔

محمد رفیع مفتی

متفرق سوالات

[المورد میں خطوط اور ای میل کے ذریعے سے دینی موضوعات پر سوالات موصول ہوتے ہیں۔ المورد کے شعبۂ علم وتحقیق اور شعبۂ تعلیم وتربیت کے رفقا ان سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ ان میں سے منتخب سوال وجواب کو افادۂ عام کے لیے یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ذبح کے وقت تکبیر کی کیسٹ چلانا

سوال: مغرب کے بعض ممالک میں حلال گوشت بیچنے والے اداروں میں ذبح کرنے کے طریقے میں دو مسائل سامنے آئے ہیں، ان پر آپ اپنی رائے دیں۔

ا۔ مرغیوں کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا جھٹکا دیتے ہیں تاکہ وہ زیادہ بھاگ نہ سکیں، بعض اوقات کچھ جانور اس جھٹکے سے مر بھی جاتے ہیں۔

۲۔ جب انھیں ذبح کیا جاتا ہے تو اس وقت مذبح خانے میں تکبیر کے الفاظ پر مشتمل کیسٹ چلائی جاتی ہے۔ کیا ایسے اداروں کا تیار کردہ گوشت حلال ہے؟ (نثار احمد)

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ اگر واقعۃً بجلی کے جھٹکے سے مر جانے والے جانوروں کو ذبح ہونے والے جانوروں سے الگ نہیں کیا جاتا، بلکہ انھی میں ڈال دیا جاتا ہے تو پھر اس ادارے کا تیار کردہ گوشت استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

جہاں تک مذبح خانے میں ذبح کے وقت تکبیر کی کیسٹ چلانے کا تعلق ہے تو یہ کوئی صحیح بات تو نہیں ہے، لیکن ذبح کرنے والا ادارہ چونکہ جانور کو اسی ذات کے نام پر ذبح کر رہا ہے جس کے نام پر اسے ذبح ہونا چاہیے، لہٰذا جانور کو

ذبیحہ قرار دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ البتہ، اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ یہ طریقہ اختیار کرتا ہے تو اسے اس سے منع کرنا چاہیے۔

اہل کتاب کا ذبیحہ

سوال: قرآن مجید میں اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔ کیا آج کل کے اہل کتاب جو مشرکانہ عقائد رکھتے ہیں، ان کا ذبیحہ بھی مسلمانوں کے لیے جائز ہے؟ (نثار احمد)

جواب: اہل کتاب آج جس شرک میں مبتلا ہیں، اس میں وہ نزول قرآن کے زمانے میں بھی تھے۔

ارشاد باری ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ. (التوبہ ۹: ۳۰)

''یہود نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ سب ان کے منہ کی باتیں ہیں۔''

اہل کتاب اپنے دین کو دین توحید ہی کی حیثیت سے پیش کرتے اور اپنے شرک کی توجیہ کرتے ہیں، لہٰذا قرآن نے انھیں عرب کے ان مشرکین کی صف میں کھڑا نہیں کیا جو دین توحید کے بجائے دین شرک کے علم بردار تھے۔ لہٰذا، آج بھی اہل کتاب کا ذبیحہ کھانا صحیح ہو گا بشرطیکہ وہ ذبیحہ ہو۔

ذات خدا کے متعلق دلیل ڈھونڈنا

سوال: کیا اسلام میں اپنے ایمان کی بنیاد کے بارے میں دلیل ڈھونڈنے کی اجازت ہے، مثلاً یہ کہ ہر چیز کی کوئی ابتدا ہوا کرتی ہے تو اللہ کی ابتدا کیا ہے، یعنی وہ کب سے موجود ہے اور وہ کہاں سے آیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس طرح کے سوالوں کے جواب تلاش کرنا ہی کفر ہے۔ (سید عمر حسنی)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جواب: خدا پر ایمان عقل و فطرت کی گواہی سے یا ان دونوں کے اطمینان پا جانے کی بنا پر ہوتا ہے۔ لہٰذا، خدا پر ایمان لانے کے حوالے سے دلیل و استدلال کی نفی کرنا درست نہیں ہے۔

البتہ ذات خدا سے متعلق ایسے سوال جیسے آپ نے بیان کیے ہیں کہ ہر چیز کی کوئی ابتدا ہوا کرتی ہے تو اللہ کی ابتدا کیا ہے، وہ کب سے موجود ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرنا آخری درجے کی حماقت اور جہالت ہے، کیونکہ ذات خدا کے بارے میں وہ معلومات ہی ہمارے پاس موجود نہیں جن کی بنیاد پر ایسے سوالوں کے جواب تلاش کرنا ممکن ہو۔

ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات میں موجود نظم و ضبط، توازن اور اشیا میں ہم آہنگی ہمیں اس بات کی طرف دھکیلتی ہے کہ اس کے پیچھے کوئی عظیم قدرت اور ذہانت موجود ہے جو بامقصد کام کرتی ہے۔

اگر ہم اس قدرت اور ذہانت کی ذات کے بارے میں، جسے ہم اس کائنات کا مقتدر مان رہے ہیں، کچھ جاننا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ جیسے یہ کائنات ایک حد تک ہماری دسترس میں ہے، اسی طرح وہ ذات بھی کسی نہ کسی حد تک ہماری دسترس میں ہوتا کہ جیسے اس کائنات کے مطالعے سے ہم نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اس کے پیچھے ایک قدرت اور ذہانت کارفرما ہے، اسی طرح ہم اس ذات کے مطالعے سے یہ طے کریں کہ اس کے پیچھے کون کارفرما ہے اور کب سے کارفرما ہے؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان سوالوں کے حوالے سے ہمارے محقق کا مسئلہ بس اس ذات تک پہنچنا ہے، جونہی وہ اس تک پہنچ جائے گا، اگلی تحقیقات آپ سے آپ شروع ہو جائیں گی۔ اگر وہ ذات بھی کائنات ہی کی اشیا کی طرح کی کوئی شے ہوئی تو پھر اسے مادی اصولوں پر پرکھ کر اس کے بارے میں کچھ کہنا ممکن ہوگا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا خدا کو مخلوقات کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کیا وہ بھی اسی طرح زمان و مکان کا پابند ہے جیسے اس کائنات کی دوسری چیزیں پابند ہیں؟ کیا وہ کائنات کے اندر ہی کا ایک وجود ہے کہ ہم اس تک پہنچنے کی کوشش کریں؟ اگر وہ بھی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے تو پھر اس کے بارے میں ہمارے ایسے سوالات بامعنی ہیں، لیکن اگر وہ مخلوق نہ ہوا تو پھر شاید وہ ہمارے علم و عقل سے بالا وجود ہو اور اسے سمجھ سکنا ہمارے بس میں نہ ہو، کیونکہ ہم صرف مخلوقات ہی سے واقف ہیں۔

ہم اسے اس لیے مانتے ہیں کہ یہ کائنات اور ہمارا اپنا وجود اسے ماننے کی طرف ہمیں دھکیلتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہی اس کائنات کی وہ واحد توجیہ ہے جو ہمارے سب سوالوں کا شافی جواب ہے۔

اب رہا اس کی ذات کا معاملہ کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کب سے موجود ہے تو یہ معلوم کرنے کے لیے اس کے وجود تک پہنچنا، اس کا مشاہدہ ومطالعہ کرنا اور غوروفکر کے لیے بنیادی مواد حاصل کرنا ضروری ہے۔

بہرحال، حقیقت یہ ہے کہ فی الحال ہم مادے تک رسائی تو رکھتے ہیں، مگر اس کے پیچھے عقلاً محسوس ہونے والی ذہن تک ہماری کوئی رسائی نہیں ہے۔

اس صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

اس سوال کے دو جواب ہیں:

ایک یہ ہے کہ جب تک ہم خدا کی ذات کا مطالعہ کرکے اس کے بارے میں یہ نہیں جان لیتے کہ وہ کب سے ہے اور کہاں سے آیا ہے، اس وقت تک کے لیے ہم کائنات کے پیچھے کسی قدرت اور ذہانت کے کارفرما ہونے اور اس کائنات میں کسی مقصدیت کے موجود ہونے ہی سے انکار کر دیں یا دوسرے لفظوں میں اس وقت تک کے لیے ہم خدا کے وجود پر اس کائنات کی اور اپنے وجود کی صریح گواہی کا انکار کر دیں اور اس پر اپنے ایمان لانے کو اس وقت تک کے لیے موخر کر دیں، جب تک ہمیں یہ نہ پتا چلے کہ آخر وہ آیا کہاں سے ہے اور وہ کب سے ہے۔

ہمارے اس رویے کی مثال یہ ہوگی کہ جس شخص کے والدین کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کون ہیں، ہم اس شخص کے وجود کے بارے میں اپنے وجود کی ہر گواہی کا انکار کریں گے۔

دوسرا یہ ہے کہ جو کچھ ثابت ہو چکا ہے، اس کو مانا جائے۔ چنانچہ اگر یہ بات ثابت ہے کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی قدیر، کوئی حکیم ہے تو اسے مانا جائے، یعنی اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی ذات سے متعلق سوالات کا جواب جاننے کے لیے اس تک پہنچنے کا انتظار کیا جائے اور ان سوالوں کو فی الحال معلق رہنے دیا جائے، کیونکہ اس وقت ان پر غوروفکر ہمارے بس ہی میں نہیں ہے۔

ویسے یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ خدا کی ابتدا ہو؟ خدا کی ابتدا نہ ہونے سے یہی بات ثابت ہوگی کہ وہ ہماری معلوم اشیا کی طرح کی شے نہیں ہے۔ اگر وہ موجود ہے تو اس کے بارے میں یہ بات بھی ممکن ہے کہ وہ کائنات کی اشیا کی طرح کا نہ ہو۔ ہم اس کے بارے میں یہ سوال کہ وہ کب سے ہے اور وہ کہاں سے آیا ہے، آخر کس بل بوتے پر کر رہے ہیں۔

غوروفکر کفر نہیں ہوتا۔ کفر دراصل، اس حق کو نہ ماننا ہے جو آپ پر بالکل واضح ہے، جس کے بارے میں آپ کا دل کہتا ہے کہ آپ کو اسے لازماً قبول کرنا چاہیے، لیکن آپ جان بوجھ کر اسے نہیں مانتے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حدیث کے بارے میں قرآن کی وضاحت

سوال: قرآن مجید حدیث کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ (خالد احمد خاں)

جواب: قرآن مجید نے حدیث کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ البتہ، اس نے صاحب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سی باتیں کی ہیں، یعنی یہ کہ آپ کی اطاعت کی جائے، آپ کی اتباع کی جائے اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنایا جائے۔

جرم اور گناہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سوال: جرم اور گناہ میں کیا فرق ہے؟ دونوں میں کیا اشتراک ہے اور کیا اختلاف ہے؟ (عالیہ انور)

جواب: گناہ خدا کے حکم کو نہ ماننا ہے، خواہ یہ حکم کسی کام کو سرانجام دینے کا ہو یا کسی کام سے رکنے کا ہو اور خواہ یہ حکم شریعت سے ثابت ہو یا فطرت سے مثلاً، انکار نبوت، نماز میں کوتاہی، ماں باپ سے بدسلوکی، وعدہ خلافی اور جھوٹ بولنا وغیرہ۔

جرم کا لفظ جب آخرت کے زاویے سے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد کسی گناہ پر ہٹ دھرمی کے ساتھ اصرار و استمرار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہنمیوں سے کہا گیا کہ 'اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ'، ''یقیناً تم مجرم ہو'' (المرسلٰت ۷۷: ۴۶) اور 'اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ'، ''بے شک مجرم گمراہی میں ہیں اور جہنم میں ہوں گے'' (القمر ۵۴: ۴۷) اور 'وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ'، ''اور وہ سب سے بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کرتے رہے'' (الواقعہ ۵۶: ۴۶)۔

اور جب قانون وفقہ کے زاویے سے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن پر شریعت نے دنیا میں سزا دی ہے، مثلاً قتل، چوری، قذف اور زنا وغیرہ۔

بہتان اور طلاق

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر شک کرتے ہوئے یہ الزام لگائے کہ وہ اس کے بعض رشتہ داروں پر جادو کر رہی ہے یا کرا رہی ہے، پھر وہ خاتون قرآن پر ہاتھ رکھ کر اپنی معصومیت کی قسم کھا لے کہ اس نے اس طرح کا کوئی جادو وغیرہ نہیں کیا تو کیا مذکورہ خاوند اپنی بیوی پر جادو کا یہ بہتان لگانے کے بعد اس کے ساتھ رہ سکتا ہے؟ (عبداللہ خان)

جواب: کیوں نہیں رہ سکتا، بالکل رہ سکتا ہے۔ جب بیوی سے قسم لے لی ہے تو اس کے بعد خاوند کا اعتماد بحال ہو جانا چاہیے اور میاں بیوی کی باہمی محبت واپس لوٹ آنی چاہیے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اس واقعے میں بے شک خاوند نے بیوی پر شک کیا ہے اور اس پر ایک بہتان لگایا ہے، لیکن اس طرح کی کسی بات کا اثر ان کے نکاح پر نہیں پڑتا، لہٰذا اس پہلو سے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جادو اور اس کا روحانی علاج

سوال: کیا جادو یا کالا علم کوئی حقیقت رکھتا ہے؟ اور کیا اس کا روحانی علاج کرانا درست ہے؟ اور کیا ہم عملیات پر یقین رکھ سکتے ہیں؟ (ارشد اسلام)

جواب: ارشاد باری ہے: 'وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ.' ''(یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے۔'' (الفلق ۱۱۳: ۴)

اس آیت سے یہ پتا چلتا ہے کہ جادو کرنے والوں کا ایک شر ہے جس سے بچنے کے لیے ہمیں یہ کلمہ سکھایا گیا ہے۔ اور ارشاد باری ہے:

''اور یہ (یہودی) ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے،... یہی (شیاطین) لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔'' (البقرہ ۲: ۱۰۲)

چنانچہ جادو یا کالا علم ایک حقیقت ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

عام مشاہدے میں جو چیز آئی ہے، وہ یہ ہے کہ جس شخص پر کالا جادو کر دیا جائے، وہ شدید توہمات میں گھر جاتا ہے، بعض صورتوں میں وہ سخت بیمار ہو جاتا ہے اور اسے عام علاج معالجے سے بھی کوئی شفا نہیں ہوتی۔ جادو وغیرہ کے لیے روحانی علاج کرانا درست ہے۔ البتہ، تعویذ گنڈے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ جانا ہے۔ ابو داؤد کی ''کتاب الخاتم'' میں ایک مفصل حدیث بیان ہوئی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس چیزوں کو مکروہ جانتے تھے، ان باتوں میں سے ایک تعویذ باندھنا بھی ہے۔

خود دین نے اس کے توڑ کے لیے جو روحانی علاج بتایا ہے، وہ معوذتین کا پڑھنا ہے۔ یہ دونوں سورتیں دراصل، جادو اور بعض دوسرے شرور سے خدا کی پناہ حاصل کرنے کی دعا ہیں۔ یہ اگر پورے یقین کے ساتھ پڑھی جائیں تو ان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر آپ کسی روحانی عامل سے علاج کرانا چاہیں تو کرا سکتے ہیں، بس یہ دیکھ لیں کہ وہ کوئی شرکیہ عمل اختیار کرنے والا نہ ہو اور دھوکا باز نہ ہو۔

عملیات پر یقین رکھنے کے الفاظ درست نہیں ہیں، کیونکہ اس میں وہ سب کچھ بھی آ جاتا ہے جو انسانوں کی ایجاد ہے۔

البتہ اشیا اور کلمات کے خواص اور ان کی تاثیرات کا علم ایک حقیقت ہے۔ قرآن مجید میں ہاروت و ماروت کے حوالے سے جس علم کا ذکر کیا گیا ہے، عام طور پر اسے جادو سمجھا گیا ہے، لیکن مولانا امین احسن مرحوم نے واضح کیا ہے کہ وہ اشیا اور کلمات کے خواص اور ان کی تاثیرات کا علم تھا۔

البتہ ہر مسلمان کے لیے یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ جادو ہو یا روحانی علم، ان میں تاثیر اللہ ہی کے اذن سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا کے علاوہ کوئی چیز بھی بذات خود کوئی تاثیر نہیں رکھتی۔

بیت المقدس اور تحویل قبلہ

سوال: قرآن میں کس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، اگر نہیں دیا گیا تو آپ نے ایسا کیوں کیا؟ (بابا علی)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جواب: یہ بات تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھی۔

ارشاد باری ہے:

۱۔ سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡهَا. (البقرہ ۲: ۱۴۲)

''(ابراہیم کی بنائی ہوئی مسجد کو، اے پیغمبر، ہم نے تمھارے لیے قبلہ ٹھیرانے کا فیصلہ کیا ہے تو) اب اِن لوگوں میں سے جو احمق ہیں، وہ کہیں گے: اِنھیں کس چیز نے اُس قبلے سے پھیر دیا جس پر یہ پہلے تھے؟''

۲۔ وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡهَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡهِ. (البقرہ ۲: ۱۴۳)

''اور اِس سے پہلے جس قبلے پر تم تھے، اُسے تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے ٹھیرایا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔''

۳۔ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ. (البقرہ ۲: ۱۴۴)

''(اے پیغمبر)، سو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ تمھیں اُس قبلے کی طرف پھیر دیں جو تم کو پسند ہے، لہٰذا اب اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دو۔''

آیات نمبر ۱ اور ۲ اور ان کے ترجمے میں موجود خط کشیدہ الفاظ میں بیت اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کس قبلے کا ذکر ہے؟

آیت نمبر ۳ میں بیت اللہ کی طرف آپ کا رخ پھیر دینے کا ذکر ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے رخ کو کدھر سے اِدھر پھیرا جا رہا ہے۔

قرآن کی یہ آیت کہ 'سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ' (عنقریب یہ بے وقوف (یہود) کہیں گے)، بتاتی ہے کہ یہ یہود کا پسندیدہ قبلہ ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ یہ بیت المقدس ہی ہے۔ ور احادیث بھی بتاتی ہیں کہ وہ بیت المقدس ہی ہے۔

قرآن مجید کے اس مقام کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، البتہ آپ اس بات کا اہتمام ضرور کرتے تھے کہ آپ اس رخ پر کھڑے ہوں جس پر خانہ کعبہ اور بیت المقدس، دونوں ہی قبلے آپ کے سامنے آ جائیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اہل کتاب سے مختلف کوئی طریقہ اختیار نہ کیا کرتے تھے، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس کا حکم یا اس کی اجازت نہ مل

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاتی تھی۔

پھر جب آپ مدینہ میں آئے تو وہاں دونوں قبلوں کو بہ یک وقت سامنے رکھنا ممکن نہ تھا، لہٰذا آپ نے اپنے اصول کے مطابق بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی، لیکن آپ کا جی یہ چاہتا تھا کہ آپ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ پھر جیسا کہ درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے، کچھ ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دے دیا کہ آپ کعبہ ہی کو اپنا قبلہ بنائیں۔

نکاح میں گواہوں کی شرط

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سوال: کیا نکاح میں گواہ ہونے ضروری ہیں؟ اگر کوئی مرد و عورت کسی ایسی مجبوری میں ہیں کہ وہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح نہیں کر سکتے تو کیا بغیر گواہی کے ان کے ایجاب و قبول سے ان کا نکاح واقع ہو جائے گا؟ (مقصود احمد)

جواب: نکاح سے متعلق شریعت کو غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان'' کے باب ''قانون معاشرت'' میں درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ، مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ، فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً، وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا. (النساء۴: ۲۴)

''اور اِن کے ماسوا جو عورتیں ہیں، وہ تمھارے لیے حلال ہیں، اِس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے اُنھیں طلب کرو، اِس شرط کے ساتھ کہ تم پاک دامن رہنے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ (چنانچہ اِس سے پہلے اگر مہر ادا نہیں کیا) تو جو فائدہ اُن سے اٹھایا ہے، اُس کے صلے میں اُن کے مہر اُنھیں ادا کر دو، ایک فرض کے طور پر۔ اِسے فرض ٹھیرانے کے بعد، البتہ باہمی رضامندی سے جو کچھ طے کر لو تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ بے شک، اللہ علیم و حکیم ہے۔''

اِس آیت میں نکاح کے لیے جو حدود و شرائط بیان ہوئے ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے:

پہلی بات یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح مال یعنی مہر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عائد

کردہ ایک فریضہ کی حیثیت سے یہ نکاح کی ایک لازمی شرط ہے۔

...دوسری بات آیۂ زیر بحث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح کے لیے پاک دامن ہونا ضروری ہے۔ کوئی زانی یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی عفیفہ سے بیاہ کرے اور نہ کوئی زانیہ یہ حق رکھتی ہے کہ کسی مرد عفیف کے نکاح میں آئے، الّا یہ کہ معاملہ عدالت میں نہ پہنچا ہو اور وہ توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے آپ کو اِس گناہ سے پاک کر لیں۔

...اِسی طرح یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ نکاح خاندان کے جس ادارے کو وجود میں لانے کے لیے کیا جاتا ہے، اُس کی حرمت کا تقاضا ہے کہ یہ والدین اور سرپرستوں کو ساتھ لے کر اور اُن کی رضامندی سے کیا جائے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ نکاح میں فیصلہ اصلاً مرد و عورت کرتے ہیں اور اُن کے علانیہ ایجاب و قبول سے یہ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اولیا کا اذن اگر اُس میں شامل نہیں ہے تو اِس کی کوئی معقول وجہ لازماً سامنے آنی چاہیے۔ یہ نہ ہو تو معاشرے کا نظم اجتماعی یہ حق رکھتا ہے کہ اِس طرح کا نکاح نہ ہونے دے۔ 'لا نکاح الا بولی' (سرپرست کے بغیر کوئی نکاح نہیں) اور اِس طرح کی دوسری روایتوں میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ عورت کی بغاوت چونکہ اِس معاملے میں خاندان کے لیے غیر معمولی اختلال کا باعث بن جاتی ہے، اِس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے اولیا پر واضح کر دیا ہے کہ اُس کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ اُس کی اجازت کے بغیر نہ کریں، ورنہ عورت چاہے گی تو اُن کا یہ فیصلہ رد کر دیا جائے گا۔'' (میزان ۴۱۶-۴۱۹)

درج بالا عبارت میں آپ کے سوال کا جواب موجود ہے۔ اس میں خاص آپ سے متعلق بات کو میں نے خط کشیدہ کر دیا ہے، یعنی یہ کہ نکاح کے لیے علانیہ طور پر ایجاب و قبول ضروری ہے۔ چوری چھپے کا نکاح کوئی چیز نہیں۔

متعہ

سوال: کیا اسلام میں متعہ یعنی عارضی شادی کی اجازت ہے؟ اگر اجازت ہے تو پھر اس کا طریقہ کیا ہے؟ (ایم احمد)

جواب: اسلام میں عارضی شادی کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ نکاح ایک مستقل رفاقت کا عہد ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

”وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ، وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ ، اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِھِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ، وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ، وَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَھُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ .(النور۲۴: ۳۲-۳۳)

”اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمھارے لونڈی غلاموں میں سے جو صلاحیت رکھتے ہوں، اُن کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت اور بڑے علم والا ہے۔ اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں، اُنھیں چاہیے کہ عفت اختیار کریں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے۔“

استاذ محترم غامدی صاحب نے اپنی کتاب ”میزان“ کے باب ”قانون معاشرت“ میں ان آیات کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اِن آیات میں یہ بات پوری قطعیت کے ساتھ واضح کی گئی ہے کہ عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے، اور وہ نکاح ہے۔ اِس کی مقدرت نہ ہو تو یہ چیز بدکاری کے جواز کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔ چنانچہ لوگوں کو تلقین کی گئی ہے کہ اُن میں سے جو بن بیاہے رہ گئے ہوں، اُن کے نکاح کرائیں۔ علانیہ ایجاب و قبول کے ساتھ یہ مرد و عورت کے درمیان مستقل رفاقت کا عہد ہے جو لوگوں کے سامنے اور کسی ذمہ دار شخصیت کی طرف سے اِس موقع پر تذکیر و نصیحت کے بعد پورے اہتمام اور سنجیدگی کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔ الہامی صحیفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم میں یہ طریقہ اُن کی پیدایش کے پہلے دن ہی سے جاری کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ قرآن نازل ہوا تو اُس کے لیے کوئی نیا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی۔ ایک قدیم سنت کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کو اپنی امت میں اِسی طرح باقی رکھا ہے۔ یہاں اِس کی ترغیب کے ساتھ لوگوں کو مزید یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ اگر غریب بھی ہوں تو اخلاقی مفاسد سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے نکاح کریں۔“ (میزان ۴۱۰)

آپ کے سوال سے متعلق الفاظ کو میں نے خط کشیدہ کر دیا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے فلاحی کام

سوال: ہسپتال کی زمین خریدنے اور اس پر عمارت بنانے کے لیے ہمیں یہ بات تو واضح ہے کہ صدقے کی مد

میں وصول ہونے والی رقم استعمال کی جاسکتی ہے،لیکن زکوٰۃ کی رقم شاید اس کے لیے استعمال نہیں کی جاسکتی؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا ہم زمین خریدنے اور عمارت بنانے کے لیے زکوٰۃ کی رقم میں سے بطور قرض کچھ رقم لے سکتے ہیں؟ نیز یہ بتائیں کہ کیا ہم زکوٰۃ کی رقم اپنی 'capital cost' کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ (ناصر مشتاق)

جواب: استاذ محترم غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق دین میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ صدقے کی رقم کی طرح زکوٰۃ کی رقم سے بھی زمین خرید سکتے اور اس پر عمارت بنا سکتے ہیں اور اسے ہسپتال کی چھوٹی بڑی سب ضروریات کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

زکوٰۃ کے مصارف یعنی زکوٰۃ خرچ کرنے کی جگہوں کو خود قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ غامدی صاحب نے زکوٰۃ سے متعلق آیت کی شرح کرتے ہوئے قرآن کے بیان کردہ ان مصارف کو درج ذیل الفاظ میں واضح کیا ہے:

''زکوٰۃ کے مصارف سے متعلق کوئی ابہام نہ تھا۔ یہ ہمیشہ فقرا و مساکین اور نظم اجتماعی کی ضرورتوں ہی کے لیے خرچ کی جاتی تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب منافقین نے اعتراضات کیے تو قرآن نے انھیں خود پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ، وَالْمَسٰکِيْنِ، وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا، وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ، وَفِی الرِّقَابِ، وَالْغٰرِمِيْنَ، وَفِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَابْنِ السَّبِيْلِ، فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَکِيْمٌ. (التوبہ ۹: ۶۰)

''یہ صدقات تو بس فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں، اور اُن کے لیے جو اِن پر عامل بنائے جائیں، اور اُن کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، اور اِس لیے کہ گردنوں کے چھڑانے اور تاوان زدوں کی مدد کرنے میں، راہ خدا میں اور مسافروں کی بہبود کے لیے خرچ کیے جائیں۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔''

اِس آیت میں جو مصارف بیان کیے گئے ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے:

فقرا و مساکین کے لیے۔

'العاملین علیھا'، یعنی ریاست کے تمام ملازمین کی خدمات کے معاوضے میں۔

'المؤلفة قلوبھم'، یعنی اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تمام سیاسی اخراجات کے لیے۔

'فی الرقاب'، یعنی ہر قسم کی غلامی سے نجات کے لیے۔

'الغارمین'، یعنی کسی نقصان، تاوان یا قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کی مدد کے لیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

’فی سبیل اللّٰہ‘، یعنی دین کی خدمت اور لوگوں کی بہبود کے کاموں میں۔

’ابن السبیل‘، یعنی مسافروں کی مدد اور اُن کے لیے سڑکوں، پلوں، سراؤں وغیرہ کی تعمیر کے لیے۔

...زکوٰۃ کے مصارف پر تملیک ذاتی کی جو شرط ہمارے فقہا نے عائد کی ہے، اُس کے لیے کوئی ماخذ قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے، اِس وجہ سے زکوٰۃ جس طرح فرد کے ہاتھ میں دی جا سکتی، اُسی طرح اُس کی بہبود کے کاموں میں بھی خرچ کی جا سکتی ہے۔‘‘ (میزان ۳۵۱-۳۵۲)

غامدی صاحب کی تحریر میں آپ کے سوال سے متعلق حصہ میں نے نشان زد کر دیا ہے۔

قضا نمازوں کا فدیہ

سوال: کیا کسی آدمی کی وفات کے بعد اس کی طرف سے، ہم اس کی چھوڑی ہوئی نمازوں کے عوض صدقہ دے سکتے ہیں؟ (ثمر کاظمی)

جواب: نہیں اس کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جیسے کوئی بوڑھا آدمی جو روزہ نہ رکھ سکتا ہو، وہ اپنے روزہ چھوڑنے کے عوض فدیہ دے سکتا ہے۔ اس طرح کا کوئی فدیہ چھوڑی ہوئی نماز کے لیے نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ یہ بات دین میں ثابت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی کے لیے کوئی دوسرا شخص نیک عمل نہیں کر سکتا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اپنی مزنیہ کی بیٹی سے شادی

سوال: مجھے درج ذیل سوالات کی وضاحت مطلوب ہے:

پہلا یہ کہ اگر کسی لڑکے نے کسی شادی شدہ عورت سے زنا کیا ہے تو کیا وہ اس عورت کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے؟

دوسرا یہ کہ اگر اس لڑکے کا معاملہ اس عورت کے ساتھ زنا کے قریب، یعنی بوس و کنار وغیرہ تک تو پہنچا ہو، البتہ اس نے زنا نہ کیا ہو تو کیا اس صورت میں وہ اس عورت کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے؟

تیسرا یہ کہ اگر زنا یا محض بوس و کنار کے زمانے میں وہ لڑکا تو نابالغ ہو اور عورت شادی شدہ ہو تو کیا اس صورت میں وہ اس عورت کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے؟ (محمد عاشق)

جواب: استاذ محترم غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق درج بالا تینوں صورتوں میں وہ لڑکا اس عورت کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے۔

احناف کے نزدیک تینوں صورتوں میں یہ شادی ناجائز ہوگی جبکہ شوافع کے نزدیک تینوں صورتوں میں یہ جائز ہے۔

اسبال ازار

سوال: کیا نماز سے پہلے ٹخنوں سے اوپر شلوار کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ (عرفان محمود)

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ لوگ اپنا ازار، یعنی تہ بند متکبرانہ انداز میں ٹخنوں سے نیچے لٹکائے زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتے ہیں تو آپ نے اپنے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنا تہ بند ٹخنوں سے اوپر رکھا کریں اور یہ بتایا کہ جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا تہ بند زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتا ہوگا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں اور اس کا جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوگا، وہ آگ میں ہوگا۔

چنانچہ صحابۂ کرام نے نہ صرف لباس کی اس متکبرانہ صورت کو بالکل ترک کیا، بلکہ تکبر کے ذہن کے بغیر بھی اس صورت کو اختیار کرنے سے مکمل گریز کیا، کیونکہ یہ بہرحال اظہار تکبر ہی کی ایک صورت ہے۔

آج بھی اگر کوئی شخص اپنا تہ بند متکبرانہ انداز میں ٹخنوں سے نیچے لٹکائے زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی وعید کا مخاطب ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آج کل شلوار کا ٹخنوں سے ذرا نیچے رکھا جانا کیا متکبرانہ لباس کی شکل ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ تہ بند کو نیچے لٹکانا اور زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلنا لباس کی واقعۃً متکبرانہ صورت اور علامت ہے، جبکہ شلوار کی عام رائج صورت کا معاملہ بالکل یہ نہیں۔

چنانچہ ہمارے خیال میں تہ بند لٹکا کر گھسیٹتے ہوئے چلنے سے متعلق حکم شلوار وغیرہ کی عام رائج صورت پر لاگو نہیں ہوتا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مجبوراً رشوت لینا

سوال: کیا کوئی غریب ملازم اپنے ضروری اخراجات پورے کرنے کے لیے رشوت لے سکتا ہے؟ اسلام کی رہنمائی کے مطابق اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کیجیے۔ (عبداللہ)

جواب: رشوت کی اجازت دینا قانون کو بیچنے کی اجازت دینا ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجایش نہیں۔ ہاں، اگر کسی مجبور شخص سے ایسی غلطی ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول کر کے اسے معاف فرما دیں۔

اس رشوت لینے کو کسی جاں بلب بھوکے شخص کو حرام غذا کھانے کی اجازت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ حرام جانور نہ کھانا خدا کا حق ہے جسے وہ (اللہ) بھوکے شخص کے لیے چھوڑ دیتا ہے، جبکہ رشوت لینا لوگوں کے یا قوم کے حقوق بیچنا ہے۔ اس کی اجازت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک وہ لوگ یا قوم اجازت نہ دے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ آمدنی بڑھانے کے دوسرے ذرائع اختیار کرنے کی کوشش کرے اور خدا سے برکت کی دعا کرے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org